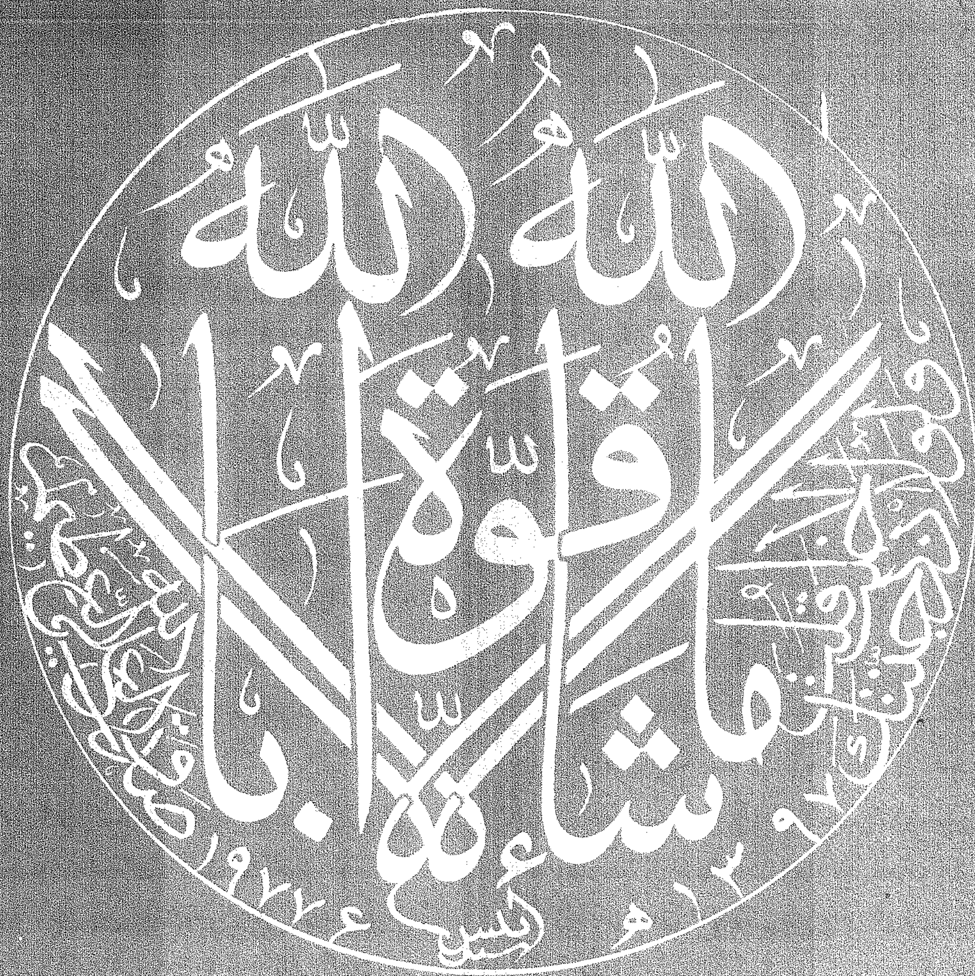


بانی ادارہ : شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ



16-10-77

ایک روپیہ

حکومت کی ذمہ داریاں

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَجَاءَ اَبَا بَکْرٍ مَالٌ مِنْ قِبَلِ الْعَلَاءِ الْحَضْرَمِیِّ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ مَنْ کَانَ لَہٗ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَیْنٌ اَوْ کَانَتْ لَہٗ قِبَلَہٗ عِدَۃٌ فَلْیَاْتِنَا قَالَ جَابِرٌ فَقُلْتُ وَعَدَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰکَذَا وَھٰکَذَا فَبَسَطَ یَدَیْہِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ قَالَ جَابِرٌ فَحَثٰی لِیْ حَثْیَۃً فَعَدَدْتُّھَا فَاِذَا ھِیَ خَمْسُ مِائَۃٍ وَقَالَ خُذْ مِثْلَیْھَا۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وفات پائی اور ابوبکرؓ کے پاس علاء الحضرمی (جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کا حاکم مقرر کیا تھا) کے پاس سے مال آیا۔ تو ابوبکرؓ نے کہا جس کا رسول اللہ پر کچھ قرض ہو یا آپؐ نے کسی سے کچھ دینے کا وعدہ کیا ہو تو وہ ہمارے پاس آ جائے۔

جابرؓ کہتے ہیں۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اتنا، اتنا اور اتنا مال دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور تین دفعہ ہاتھ پھیلا کر بتایا۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے مال میں سے ایک لپ بھر کر مجھے دیا میں نے جو گنا تو پانچ سو تھے۔ اس کے بعد ابوبکرؓ نے فرمایا اتنا ہی دو دفعہ اور لے لے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول بھی تھے اور امت کے سردار بھی۔ آپؐ کے نمونہ اور عمل کے مطابق اس حدیث سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں

۱۔ مالداروں اور زمینداروں سے جو روپیہ گورنمنٹ زکوٰۃ، عشر اور خراج کے طور پر وصول کرتی ہے۔ اس کا مصرف کیا ہے؟

۲۔ مال خزانوں میں جمع کرنے کے لیے نہیں تھے بلکہ ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری کرنے کے لیے ہے۔

۳۔ گورنمنٹ کی مالی آمدنی میں سے پہلے وہ قرض چکانا چاہیے جو پچھلی حکومت نے لیا ہو۔

۴۔ وہ وعدہ بھی جو پچھلی حکومت نے کسی سے کیا ہو قرض ہی کی طرح ہے۔ اسے وقت پر پورا کرنا چاہیے۔

۵۔ گورنمنٹ کی مالی آمدنی میں سے ملازمین گورنمنٹ پہلے اپنی جیب بھرنے کی فکر نہیں کرتے بلکہ اسے فیاضی کے ساتھ دوسروں میں حسب ضرورت بانٹنے کے لیے تیار رہتے ہیں اور اسی کو اپنا سب سے پہلا کام سمجھتے ہیں۔

۶۔ گورنمنٹ کے کارکن گورنمنٹ کی رقم مالداروں سے وصول کر کے مقررہ قاعدہ کے مطابق دیانتداری سے حکومت کے خزانہ میں جمع کرا دیتے ہیں اور وہ اسے فوراً ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ اگر ہمارے شروع کے حاکم یہ رویہ اختیار نہ کرتے تو بعد میں لالچیوں نے تو انسانیت کا بیڑا غرق کر دیا ہوتا باوجود ان کی اتنی احتیاط کے بھی دیکھ لو بعد میں کیا ہوا اور اب کیا ہو رہا ہے۔

اسلامی معاشرہ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّھْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلٰثٍ فَاِنْ مَرَّتْ بِہٖ ثَلٰثٌ فَلْیَلْقَہٗ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَکَا فِی الْاَجْرِ وَاِنْ لَّمْ یَرُدَّ عَلَیْہِ فَقَدْ بَاءَ بِالْاِثْمِ وَخَرَجَ الْمُسَلِّمُ مِنَ الْھِجْرَۃِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مومن کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھے۔ اگر تیسرا دن ہو ہی جائے تو اس سے ملے تو کہے السلام علیکم۔ اگر اس نے سلام کا جواب دے دیا تو دونوں ثواب میں شامل ہوں گے اور جواب نہ دیا تو گناہ اسی کے سر پڑے گا اور یہ سلام کرنے والا قطع تعلق کی زد میں نہ آئے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد ۲۳   شمارہ ۱۳

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

۲۹ رشوال ۱۳۹۷ھ ● ۱۴ راکتوبر ۱۹۷۷ء

رئیس الادارہ: جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور ○ رئیس التحریر: حضرت مولانا مفتی محمود ○ مدیر: محمد سعید الرحمن علوی

خدا ہماری صحیح رہنمائی فرمائے

۱۸ راکتوبر کو ہونے والے انتخابات کے التوا کا جو خطرہ کچھ دنوں سے سروں پر منڈلا رہا تھا بالآخر وہ سامنے آگیا اور یکم اکتوبر کو جنرل صاحب نے ۴۵ منٹ کی تقریر میں یہ اعلان کر ہی دیا کہ الیکشن ملتوی اور ملتوی بھی غیر معینہ عرصہ کے لیے!

جنرل صاحب نے ۵ رجولائی کو جس پس منظر میں عارضی طور پر ملک کا اقتدار سنبھالا وہ سب کو معلوم ہے۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تقریر میں اس قسم کا تاثر دیا کہ میرا آنا قطعی عارضی ہے اور میں انتخاب کا عمل پورا کر کے واپس بیرک میں چلا جاؤں گا۔ چند روز بعد انہوں نے انتخابی شیڈول کا اعلان کر دیا۔ جس کے مطابق ۱۸ راکتوبر تاریخ انتخاب قرار پائی۔ اس سلسلہ کا بہت سا کام ہو چکا تھا۔ اور اب تو کھلی مہم جاری تھی اور جس طریق سے جنرل صاحب نے بار بار انتخاب کرانے کا عہد کیا تھا اس کے ۰ عوام کو یقین تھا کہ ۱۸ کو یہ مرحلہ طے ہو ہی جائے گا

بھٹو اور اس کی پارٹی نے جس طرح ملک لوٹا، توڑا سیاسی قتل کرائے اور ظلم و انسانیت سوزی کا وطیرہ اختیار کیا وہ ایک واضح حقیقت ہے لیکن اس کے دورِ اقتدار میں جس نوع کی پابندیاں تھیں ان کے پیشِ نظر ناممکن تھا کہ اس بدقماش ٹولہ کے کسی ادنیٰ ترین فرد کو بھی عدالت کے کٹہرے میں لایا جاتا اور وہ کیفرِ کردار تک پہنچتا۔

ظلم و زیادتی کا دور ختم ہوا تو ملک کے چاروں طرف ایک شور مچ گیا اور مختلف مقامات کی عدالتوں میں ستم رسیدہ لوگوں نے اس خبیث الفطرت، سیاہ باطن اور ننگ انسانیت ٹولہ کے خلاف مقدمات دائر کر دئے۔ اس کے علاوہ جو تحقیقات کا سلسلہ چلا تو جنرل ضیاء صاحب کو کہنا پڑا کہ بھٹو قاتل اور لیٹرا ہے، خائن ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک کہا کہ یہ شخص اپنے دشمنوں کی لاشوں کو بطور سیڑھی استعمال کرتا تھا غالباً ان کا اشارہ مرحوم شیر پاؤ کی طرف تھا۔ واللہ اعلم

ایک مقدمہ قتل میں بھٹو گرفتار ہوا تو ہائی کورٹ کے ایک معزز جج نے ضمانت لے لی اور پھر وہ اپنے خصوصی حواریوں سمیت مارشل لار کے تحت گرفتار ہو گیا۔

ساتھ ہی ساتھ اثاثوں کی بات چل رہی تھی۔ اس پس منظر میں بعض سیاسی رہنما جن کی اکثریت محض یہ تھی کہ وہ دوسروں کے آلہ کار تھے اور دو ایک ذاتی طور پر یہ رائے رکھتے تھے بول اٹھے کہ انتخاب ملتوی ہوں تاکہ احتسابی عمل پورا ہو سکے اور دوں نہاد لوگ اپنے

انجام کو پہنچ سکیں۔ اخبارات و رسائل کا ایک معقول حصہ بھی آواز بلند کر رہا تھا۔ پی پی پی کے ہنرچھپر خود تو انتخاب و انقلاب حتیٰ کہ دریاؤں کا پانی سرخ ہونے کی باتیں کر رہے تھے تاہم ان کے دور کے مراعات یافتہ بجواب "آزاد" ہونے کا منافقانہ نقاب اوڑھے ہوئے ہیں التوا کے لیے سرگرم عمل۔

رہ گیا پی، این، اے کا معاملہ۔ تو ہم اپنے دل کی بات چھپا نہیں سکتے کہ وہ بہت سے معاملات کی طرح یہاں بھی متفق اللسان نہ تھے۔ فریقین کی انتخابی مہم زور شور سے جاری تھی، تلخیاں بڑھ رہی تھیں۔ وطن کے افق پر تاریک سائے پھیلتے جا رہے تھے۔ تو جنرل صاحب نے التوا کی بات کر دی۔ سیاسی حضرات کا ملا جلا رد عمل سامنے آ چکا ہے۔ ہم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔

تاہم دل کی بات عرض کرتے ہیں جو ممکن ہے تلخ ہو لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں۔

جنرل صاحب نے ۱۸ اکتوبر کی تاریخ کا بالاصرار جو بار بار ذکر کیا اس کے پیش نظر قوم عمومی سطح پر اس خبر کو سننے کے لیے طیار نہ تھی۔ مناسب یہ تھا کہ حالات کا اندازہ کر کے پہلے ہی انتخابی شیڈول میں اس کی گنجائش رکھی جاتی۔

بہرحال احتساب کے عمل سے ہم مطمئن نہیں۔ اور اس کی چند در چند وجوہات ہیں۔

بھٹو اور اس کے حواریوں کے متعلق پہلے یہ اعلان تھا کہ ان کی سیاہ کاریوں کی تفصیلات آئندہ منتخب ہونے کے سپرد کر دی جائیں گی۔ پھر وہ جانے اور ان کا کام لیکن جب جنرل صاحب کو جسدِ ملی سرطان زدہ نظر آیا۔ تو ان کی رائے بدلی۔ فوجی ٹریبونلز بنا کر معاملات کو جلدی سے نمٹانے کی بات کی گئی۔ اب التوا کے بعد یہ مسئلہ بھی ملتوی ہوتا نظر آ رہا ہے۔ اور یہاں تک کہا جا رہا ہے کہ ان لوگوں کی رہائی جو مارشل لاء کے تحت ہوئی پر نظر ثانی کا امکان ہے اور تمام تر معاملات سول عدالتوں کے ذریعے طے ہوں گے۔

اگر معاملات سول عدالتوں کے ذریعے طے ہوتے ہیں تو پھر بقول مفتی محمود سول حکومت یہ کام بھی کر سکتی ہے

یہ طریق کار اِدھر پکڑو اُدھر چھوڑو اور آئے دن اصلاح احوال کے لیے پروگرام تبدیل کرو، نہ معلوم کس کے حق میں فائدہ مند ہوں گے اور کس کے حق میں نقصان دہ؟

جنرل صاحب قوم کی نفسیات سے یقیناً واقف ہیں۔ لیکن وہ اس کے باوجود ایسا کر رہے ہیں تو اس کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی؟

آپ فرماتے ہیں کہ مقدمات بالکل طیار ہیں، جب بالکل طیار ہیں تو پھر سپیشل ٹریبونلز بنا کر ان سے فیصلہ کروانے میں کیا امر مانع ہے؟ ملک کو توڑنے سے لے کر اس کو معاشی طور پر تباہ کرنے تک کا ایک ایک مسئلہ الم نشرح ہو چکا ہے۔ بقول جنرل صاحب دستاویزی ثبوت سامنے ہیں۔ لوگوں کے قتل کی دستاویزات پر بھٹو کے دستخط دیکھے جا چکے ہیں تو پھر نرمی کیوں اور نرم رویّہ کیوں؟

نرم رویّہ سے فائدہ اٹھا کر بعینہٖ مجرم اس حد تک شوخی پر اتر آئے ہیں کہ وہ ہائی کورٹ میں پاؤں پسارے غیر ملکی نمائندوں کو انٹرویو تک دیتے ہیں اور انہیں روکا اس وقت جاتا ہے جب وہ اپنی بات تقریباً پوری کر لیتے ہیں؟ ان مجرموں پر متعینہ عملہ اس وقت کہاں تھا جب دورِ حاضر کا سب سے بڑا مجرم اور قاتل انسانیت و شرافت انٹرویو دے رہا تھا؟ انہوں نے اس کو کیوں ڈھیل دی، کیوں موقعہ مہیا کیا؟ اور اگر ان کی غفلت یا کسی دوسری وجہ سے اس نے انٹرویو دے ہی لیا تھا تو اس کی اشاعت پر پابندی کیوں نہ لگی؟ اخبارات اور ذرائع ابلاغ کو آزادی دینے کا یہی مفہوم ہے؟ کہ قاتلوں، خائنوں اور لٹیروں کو یوں پبلسٹی ملے؟ گستاخی معاف یہ آزادی ملک و ملت کے لیے زہر قاتل ہے آخر آزادی کی کچھ حدود ہوتی ہیں؟

واقفانِ حال ریڈیو، ٹی وی کے ایک ایک لمحہ پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور نشاندہی کر رہے ہیں کہ ان کے مزاج میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی اور آئے بھی کیسے؟ انہوں نے بھی تو پچھلے چھ سالہ دورِ ظلم و استبداد میں اپنے ہاتھ رنگے ہیں؟ اگر بھٹو سینکڑوں کے حساب سے افسران کو محض پی۔پی۔پی کے اوباش اور بے حیا و بے ضمیر کارندوں

کی رپورٹوں پر بیک بینی و دوگوش نکال باہر کر سکتا ہے تو عدل و شرافت کے ان مجرموں کو ٹھکانے کیوں نہیں لگایا جاتا جو اب تک ان مسندوں پر براجمان ہیں ؟

ہمیں خطرہ ہے کہ تحقیقات کے عمل میں کہیں پیچیدگیاں اور دشواریاں نہ پیدا ہو جائیں۔ اس لیے کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک اہم اور کلیدی اسامیوں پر براجمان لوگ بھٹو شاہی کے تاریک دور کے باقاعدہ شریک ہیں۔ محض چند افسروں کے تبادلے کسی مسئلہ کا حل نہیں۔ ملتان ڈویژن میں متعین کئے گئے نئے کمشنر کے متعلق آپ جھنگ وغیرہ کے لوگوں سے پوچھیں کہ اس ذات شریف نے ڈی سی ہونے کے زمانہ میں کس طرح شریف اور صاحب عزت لوگوں کو بے آبرو کیا ؟

امور مذہبی کی وزارت کا سیکرٹری جو اسلامی مشاورتی کونسل میں اہم حیثیت سے شامل ہے کن مذہبی خدمات کے باعث اب تک چمٹا ہوا ہے ؟ کوثر نیازی کی دوستی نے علم و دانش سے بے بہرہ اس شخص کو اس پوسٹ تک پہنچایا اور یہی وہ شخص ہے جس نے رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں منکرین ختم نبوت کے متعلق قرارداد کی مخالفت کر کے پاکستان کو پوری اسلامی دنیا میں رسوا کرایا ؟ کیا یہ شخص اس قابل ہے کہ اسے اس وزارت یا کسی بھی جگہ رکھا جائے اور اسلامی مشاورتی کونسل میں بھی اس کو باعزت کرسی دے دی جائے ؟

ہم جنرل ضیاء الحق صاحب سے بصد احترام گذارش کریں گے کہ ملک و قوم کے لیے آپ کے خیالات کی بلندی اور بھاگ دوڑ سے کسی کو اختلاف نہیں لیکن آپ خوب جانتے ہیں کہ بہترین سے بہترین پروگرام غلط اہل کاروں کے سبب سبوتاژ ہو کر رہ جاتا ہے۔

ہمیں یاد ہے کہ مولانا مفتی محمود نے ۱۹۷۳ء کا دستور بننے کے بعد کیمبل پور بار میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ دستور موجودہ حیثیت میں اس قابل ہے کہ اس سے صحیح اسلامی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے لیکن بھٹو جیسے ڈرائیور کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں۔ اور پھر وہی ہوا۔ اس عاقبت نااندیش ڈرائیور کی وجہ سے اصلاح احوال تو کیا ہوتی دستور کا حلیہ بھی بگڑ گیا۔

ہمیں خطرہ ہے کہ آپ کا اسکیم ضائع نہ ہو اور سابقہ نوحہ گروں کی طرح آپ بھی نوکر شاہی کی فہرمانیوں کا شکار نہ ہو جائیں۔

اس ملک میں مخلص، دیانتدار، خدا ترس اور قوم و ملک سے سچی ہمدردی رکھنے والے لوگوں کی کمی نہیں ہر شعبہ زندگی میں لائق سے لائق افراد مل سکتے ہیں، ہر شعبہ زندگی میں اس قسم کے افراد میں سے اپنے مشیروں کی ایک ٹیم بنائیں۔ اور گذشتہ تاریک دور میں بہتی گنگا سے فائدہ اٹھانے والے پیروں، فقیروں، مولویوں، نوکر شاہی کے کل پرزوں، نام نہاد دانشوروں، ادیبوں، صحافیوں اور اس قماش کے لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچائیں۔ تاکہ ملک میں آئندہ چل کر کوئی بھی آدمی یا جماعت کسی بھی طرح ملک و قوم کی قسمت سے نہ کھیل سکے اور جن لوگوں کی تاریک زندگیوں سے ملک کا گوشہ گوشہ واقف ہے۔ انہیں سرعام پھانسی پر لٹکانے کا جلد از جلد انتظام کریں۔ اگر اس کا اہتمام نہ ہوا تو خدائے قادر و توانا ملک و ملت کے لیے کسی بہتری کا ہمیں موقع نہ دیں گے۔ اور ہم حرف غلط کی طرح مٹ جائیں گے۔

انتخابی عمل کے التوا کا فائدہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ بصورت دیگر خدشات ابھریں گے اور مشکلات پیدا ہوں گی جن کے نتائج المناک ہوں گے۔

خدا ہماری صحیح رہنمائی فرمائے۔

علی ۲۱ شوال ۹۷ 6/10/77

ضرورت خادم و محصّل

مسجد خضراء سمن آباد لاہور کے لیے ہمہ وقتی خادم کی ضرورت ہے جو خادم و مؤذن کے فرائض کے علاوہ مسجد کا چندہ بھی گھر گھر سے جمع کر سکے۔ درخواست دہندہ کے لیے متشرع اور صحتمند ہونا ضروری ہے۔ تنخواہ اسکیل ۱۰۰-۵-۱۵۰ مہنگائی الاؤنس ۱۱۰/- روپے ماہوار اور ۵ فیصدی کمیشن چندہ پر۔ تن تنہا کے لیے رہائش کا بندوبست ہے۔ عمر کم از کم ۳۰ سال۔ دو شخصی ضمانتیں ضروری ہیں۔ درخواستیں ۳۰ اکتوبر ۷۷ء تک جنرل سیکرٹری مسجد خضراء مکان ۵۱/این سمن آباد لاہور کو بھیجی جائیں۔

۱۵۶۲

قسط ۲

ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی

دعا
تقدیر کے پس منظر میں

قرآن پاک غیر اللہ کے نافع ہونے کی نفعی نفی کرتا ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ کسی نفع یا ضرر کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور ان کے نقصان کو ان کے نفع سے قریب تر گردانتا ہے۔ کیونکہ ان سے دعائیں مانگنا ان کے حاجت روائی کے لیے دست دراز کرنا اپنا ایمان ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ جگہ جگہ ہمیں رب کریم ہدایت دیتا ہے کہ اصلی حاجت روا کو پکارو۔ کیونکہ اس کے اختیارات لامحدود ہیں۔ دُنیا میں یا آخرت میں دونوں جگہ وہ جس کو چاہے جو کچھ چاہے دے دیتا ہے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ وہ نہ دینا چاہے تو کوئی وسیلہ اس سے کچھ نہیں دلوا سکتا۔

قل مایعبؤا بکم ربی لولا دُعاؤکم۔ (الفرقان -۷۷)

ترجمہ :- (اے محمدؐ) کہہ دو کہ میرے رب کو کیا ضرورت ہے تمہاری۔ اگر تم اس کو نہ پکارو۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے دعائیں نہ مانگو اور اس کی عبادت نہ کرو اور اس کو حاجت روا نہ بناؤ تو تمہاری کوئی وقعت خدا کی نظر میں نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ تمہاری عبادت سے اللہ جل و علا کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم سے اللہ تعالیٰ کی کوئی حاجت اٹکی ہوئی نہیں ہے۔ تم ہی اگر اپنی حاجت رفع کرنا چاہتے ہو تو اس کو پکارو۔ طلب کرو، مانگو یعنی دعا کرو۔ حضرت ابن عمرؓ ان سے حضرت معاذؓ بن جبل ان سے حضرت انسؓ آپ نے رسول کریمؐ سے روایت فرمائی ہے۔

"لیسال احدکم ربہ حاجتہ کلہ حتی یسال شسع نعلہ اذا انقطع"

یعنی تم لوگوں کو اپنی حاجت خدا سے مانگنی چاہئے۔ حتیٰ کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اپنے رب سے ہی مانگنا چاہئے۔ اس سے کہ کسی معاملہ میں بھی ہماری کوئی تدبیر خدا کی توفیق یا تائید کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی ہے اور تدبیر سے پہلے دعا کے معنی یہ ہیں کہ بندہ ہر وقت اپنی عاجزی اور خدا کی بالادستی کا اعتراف کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرنگوں کرنے اور اپنا مدعائے دل بیان کرنے کی بجائے دوسری ہستیوں سے مانگنا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ کوئی سائل سیشن جج کی عدالت میں پیش ہو کر کورٹ کلرک سے منت خوشامد شروع کر دے کہ وہ سیشن جج سے اس کا فیصلہ اس کے حق میں کرا دے جب کہ حاکم عدالت اس کی ان حرکت کو دیکھ رہا ہے۔ کسی وقت تو حاکم عدالت کی مرضی ہے کہ وہ اس شخص کی اس حرکت سے محظوظ ہو، اور لطف اندوز ہو کر معاف کر دے یا اس حرکت و گستاخی پہ تنبیہ کر دے یا عدالت سے نکال دے اور مقدمہ خارج کر دے یا سزا دے دے۔ دیکھئے تو یہی حاکم ذی اختیار جو رب العالمین ہے اور سمیع بصیر ہے۔ ہماری اس گستاخی پہ کس قدر کبیدہ ہوتا ہوگا کہ ہم لوگ دعا مانگنے کے لیے اس کے ہی مجبور، معذور بندوں کو چنتے ہیں۔ ویعبدون من دون اللہ مالم ینزل بہ ..... من نصیر ہ (الحج - ۷۱)

ترجمہ :- یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جن کے لیے نہ تو اس نے سند نازل کی اور نہ یہ خود ان کے بارے میں کوئی علم رکھتے ہیں۔ ان ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔

اب ظاہر ہو گیا کہ خداوند قدوس کو حیلوں وسیلوں کی قطعاً ضرورت نہیں۔ عبد اور معبود کا براہِ راست تعلق ہے۔ ہمارے اکابرین۔ پیروں، درویشوں، اولیائے کرام کی صفات اور اختیارات کے بارے میں طرح طرح اور ہمہ صفت عقائد اور نظریات، ضعیف الاعتقاد لوگ گھڑ لیتے ہیں اور یہ حاجت مند اور مجبور ان کے آستانوں پر سجدہ ریز رہتے ہیں۔ دعائیں مانگتے ہیں۔ منتیں مانگتے ہیں۔ چڑھاوے

چڑھاتے ہیں۔ قربانیاں کرتے ہیں۔ نیازیں دلواتے ہیں۔ طواف کرتے ہیں۔ اعتکاف اور چلوں میں بیٹھتے ہیں۔ یہ سب کیا ہے کیا تمہارے رب کو اس کی ضرورت ہے کبھی نہیں سوچنے کی تکلیف گوارا کرتے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ۔ (النمل ۶۲)

ترجمہ :۔ کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب کہ وہ اس کو پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے۔ اور کون تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ اور حاجت پوری کرتا ہے۔ تم لوگ کم سوچتے ہو۔

قرآن پاک میں صاف صاف تعلیم دی گئی ہے کہ دعا صرف اللہ ہی سے مانگنی چاہیئے اور وہی تمہاری دعا سنتا ہے۔ جس کے لیے کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں، تم اس کو دُور سمجھتے ہو حالانکہ وہ تم سے بہت قریب ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ٥ (البقرہ ۱۸۶)

ترجمہ :۔ اور اے نبی! میرے بندے تم سے اگر میرے متعلق پوچھیں تو بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی تو ہوں جب مجھے پکارتا ہے۔ میں اس کی پکار سنتا ہوں لہٰذا ان کو چاہیئے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔

اب بھی کوئی کسر باقی رہ گئی۔ خدا جل جلالہ ہر بندہ سے اس قدر قریب ہے کہ بندہ اگر دل ہی دل میں جو دعا کرتا ہے خواہش کرتا ہے۔ منصوبہ بناتا ہے۔ سب اس رب جلیل کو معلوم ہوتا ہے۔ وہ صرف معلوم ہی نہیں کرتا بلکہ اس پر فیصلہ بھی صادر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا بے پایاں فرماں روا ہے اور تمام اختیارات اور تمام طاقتیں اس کے ہی تابع ہیں۔ وہ تم سے اس قدر قرب رکھتا ہے کہ بغیر کسی سفارش اور وسیلہ کے براہِ راست اس سے داد فریاد کر سکتے ہو۔ اور وہ داد رسی ضرور کرتا ہے۔ جہاں تک داد رسی کا تعلق ہے تو صرف مسلمانوں کی ہی نہیں کرتا بلکہ دعا اور پکار ہر ذی روح، ہر مخلوق، کافر و مشرک سب کی سنتا ہے اور پوری کرنے پر بھی قادر ہے۔ خصوصاً جب وہ مظلوم ہو، کیونکہ وہ رب العالمین ہے۔

حضور رحمۃ للعالمین نے فرمایا ہے (مشکوٰۃ شریف) جو اللہ سے دعا کا طالب نہیں ہوتا اللہ اس سے ناخوش ہوتا ہے۔" حدیث مذکورہ سے واضح ہوتا ہے کہ دعا نہ کرنا محض محرومی کا باعث نہیں ہے بلکہ باری تعالےٰ کی ناراضگی کا موجب بھی ہے اور ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں (مشکوٰۃ شریف) جس کے لیے دعا کا دروازہ کھل گیا۔ اس کے لیے رحمت کا دروازہ کھل گیا۔

عبادت ہر پاکیزہ جسم اور روح کی تازگی اور ایک حقیقت شناس دل کے لیے موجبِ برکت و رحمت ہے۔ حدیث ہے کہ جب کوئی نماز کی نیّت باندھتا ہے تو اللہ کے سامنے پیش ہوتا ہے اور جب دعا مانگتا ہے تو اللہ سے باتیں کرتا ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ وہ دعائیں جو درد مند دل سے نکلتی ہیں بے تکلفی اور بے ساختگی رکھتی ہیں اور ایسی دعائیں ہی باری تعالےٰ کو پسند ہیں جس میں چارہ ساز کی چارہ سازی اور دل نوازی کا یقین، درد کا اظہار اور حقیقت کا اعلان۔ عبد کامل کا ایمان شامل ہو۔ یہ دعائیں ضرور شرفِ قبولیت حاصل کر لیتی ہیں۔ اور رسول ختم المرسلین کے عمل کی تکمیل کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔

خداوند بزرگ و برتر کو اپنے بندوں کی طلب اور پکار کی حالت سے پیار ہے۔ اس نے خود ہی اپنے بندوں کو ہر موقع پر ہر ضرورت پر اپنے کلام پاک میں دعائیں سکھائی ہیں۔ ان دعاؤں کے الفاظ سے زیادہ بے نظیر، مؤثر، بلیغ، موزوں اور جامع الفاظ انسان کی جستجو نایاب میں نہیں مل سکتے۔ ان سے زیادہ بہتر دعائیں اپنی بے بسی، بے بضاعتی، لاچاری، دل پذیری، فکر و احتیاج، کا نقشہ دریائے رحمت کو جوش میں لانے کے لیے نہیں میسر ہو سکتیں۔ یہ طرزِ کلام اپنی آب داری اور درخشانی میں لاثانی ہے۔ دعاؤں کی قبولیت بارگاہِ ایزدی میں تب ہوتی ہے جب بندہ اپنے صمیم قلب سے اپنے ربّ جلیل کو پکارے۔ اپنی چھوٹی سی بھلائی اور فائدہ کے لیے دوسری مخلوق کی زیادہ بُرائی اور نقصان کا طالب نہ ہو۔

دعاؤں کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے لوگ ہر دَور میں کوشاں رہے۔ بعض حیرت و استعجاب میں مستغرق رہے۔ بعض بحث و مباحثہ میں سرگرداں۔ سوائے ان لوگوں کے جو قرآن اور حدیث کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ باقی سب راہِ صواب سے بھٹک گئے۔ قرآن پاک میں تقریباً بیس جگہ اللہ تعالیٰ نے دعائیں سکھائی ہیں۔

خدا تعالیٰ دعا سنتا ہے مگر قبولیت کا شرف اس کی دعا کو حاصل ہوتا ہے جو دل کی گہرائیوں سے اپنے رب سے مانگتا ہے۔ آپ شرط صرف یہ ہے کہ مانگنے کا کیا طریقہ ہے جس سے رب العرش العظیم کی رحمت جوش میں آئے۔ اس کا طریقہ مانگنے والے پر منحصر ہے۔ آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا۔ ایک فقیر دروازہ سے صدا لگاتا ہوا گزر جاتا ہے۔ آپ سُنتے ہیں مگر کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ ایک فقیر آپ کے پاس آتا ہے اور اپنی رقت آمیز آواز میں اپنی ستم رسیدگی کی داستان سُناتا ہے۔ اس کی آنکھیں پُرنم ہیں۔ گڑگڑا رہا ہے۔ آپ چلنے لگتے ہیں تو آپ کے پیچھے پیچھے آپ کی منتیں کرتا آرہا ہے۔ آپ اگر لاکھ بھی سنگ دل ہیں اور نہیں بھی دینا چاہتے تو پھر بھی اس کی آواز سے اس کی چشم پُرنم سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور کچھ دے ہی دیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا مانگنے کا انداز، ممکن ہے کہ پہلا فقیر زیادہ حاجت مند ہو، مگر دوسرے فقیر نے کس طرح آپ کی طبیعت اپنی طرف مائل کر لی۔ پس ثابت ہوا کہ مانگنا آسان کام نہیں ہے۔ دینے والا سلامت چاہئے۔ مانگنے کا انداز دل نشین ہونا لازم ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے تو یوں نہ کہے کہ خدایا اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے۔ اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر دے۔ ارے صاحب! خدا تو رحمان اور دیّان ہے۔ اس سے دعا میں اگر اور مگر کیا معنی۔ اپنی سالمیت۔ فلاح، نصرت اور شادمانی کے لیے اس یقین سے دعا مانگو کہ وہ پوری کرے۔ کیونکہ اس دعا کی درخواست پیش کرنے کے بعد کسی اور سے تو اپیل کی راہ باقی نہیں رہ جاتی کہ اگر تو نہیں کرتا تو ہم کسی اور سے (نعوذ باللہ) مانگ لیں گے۔ اس ہی مضمون کو ابن عباسؓ نے رسول مقبولؐ سے سُن کر بیان کیا کہ "اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور اس یقین سے کہ وہ ضرور قبول کرے۔"

حضرت جابر بن عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی ہے کہ آدمی جب بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے اللہ اسے یا تو وہی چیز دیتا ہے جس کی وہ دعا کرتا ہے یا اسی درجہ کی کوئی بلا یا آفت نازل ہونے سے روک دیتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کسی گناہ کی یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو۔ اور جلد بازی سے کام نہ کرے۔ ایک صحابی نے عرض کی یا رسولؐ اللہ یہ جلد بازی کیا ہے۔ فرمایا جلد بازی یہ ہے کہ آدمی یہ کہے کہ میں نے بہت دعا کی مگر میں دیکھتا ہوں کہ میری دعا قبول نہیں ہوتی یا یہ کہ آدمی تھک کر دعا کرنا چھوڑ دے۔ واضح الفاظ میں رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ جب بھی دعا قبول فرماتے ہیں تو اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ دعا کو اس ہی صورت میں قبول کر لیا جاتا ہے۔

۲۔ دعا کو آخرت میں اجر دینے کے لیے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔

۳۔ دعا کے برابر کسی بلا یا آفتِ ناگہانی کو آنے سے روک دیا جاتا ہے۔

بایں ہمہ دعا چاہے قبول ہو یا نہ ہو بہر حال ایک فائدہ اور بہت بڑے فائدہ سے کسی صورت میں خالی نہیں۔ اور وہ یہ کہ بندہ اپنے رب کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کر کے اور اس سے دعا مانگ کر اس کی بالادستی اور ربّ العالمین ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ اور اپنی عاجزی، انکساری، لاچاری، بندگی و عقیدت۔ عبودیت کا اظہار کرتا ہے۔ یہ اظہارِ عبودیت خود ایک عبادت ہے بلکہ جانِ عبادت ہے۔ جس کی نیرنگی اجر سے بندہ کبھی محروم نہیں رہتا، چاہے وہ دُعا اس کی تسکین و تالیفِ قلب کا باعث ہی کیوں نہ ہو۔

رب السموات والارض نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی بھی تقدیر تحریر فرما دی اور جب شجر ممنوعہ کے استعمال کے بعد حضرت آدم کو جنت سے نکال دیا گیا تب حضرات آدم اور حوّا نے دعا فرمائی۔

قالا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکوننّ من الخسرین۔ (الاعراف ۲۳)

ترجمہ:— دونوں عرض کرنے لگے، پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور رحم کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ یہ انسان کی زبان سے نکلی ہوئی پہلی دعا تھی۔ اس دعا کو پروردگار نے پسند فرمایا اور ان کو معاف کر دیا۔ اسی طرح جب بارش بہت زور شور سے ہوئی۔ زمین سے چشمے جاری ہو گئے۔ تمام ملک زیر آب ہو گیا (سورہ قمر ۱۲-۱۱-سورۃ المومن ۲۳-۲۲- سورۃ الانبیاء ۷۷-۷۶) دریا اُبل پڑے اور حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت ملی کہ کشتی میں سوار ہو جا۔ وہاں ان کا لڑکا کافروں کے ساتھ مل گیا اور ڈوب گیا۔ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے دعا فرمائی اور استغفار کیا (سورۃ ہود ۴۷) اے رب میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے کہ چاہوں جو مجھے معلوم نہیں مجھ کو اور اگر تُو نہ بخشے گا مجھ کو اور نہ رحم کرے تو میں برباد ہو جاؤں گا۔ (البقرہ ۱۲۸-۱۲۷-۱۲۶) ملاحظہ کریں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے رب العالمین سے رحم اور عفو کے لیے ہی نہیں بلکہ ارضی و سماوی مشکلات سے حفاظت و نگہبانی کے لیے۔ رزق کی حصول کے لیے کس قدر دعائیں مانگی تھیں۔ (البقرہ ۱۲۷) میں واضح ہوتا ہے کہ جہاں فرمایا گیا ہے۔ "اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر (خانہ کعبہ) کی دیواریں اٹھا رہے تھے اور دعا کرتے جاتے تھے۔ اے ہمارے ربّ، ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے تو سب کی سُننے والا ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب ہم دونوں کو اپنا مُسلم (مطیع فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اُٹھا جو تیری مُسلم ہو۔ ہمیں عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں کو درگزر فرما تو بڑا معاف کرنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے۔ اور اے ربّ ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھائیو جو انہیں تیری باتیں بتائے۔ ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ اور ان کی زندگیاں سنوارے تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔"

اور یہ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ "اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں انہیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے" (خدا تعالیٰ کی جانب سے ارشاد ہوتا ہے) تو خدا نے فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اس کو بھی کسی قدر متمتع کروں گا مگر پھر اس کو (عذاب) دوزخ کے لیے ناچار کروں گا اور وہ بُری جگہ ہے (البقرہ ۱۲۶) اس آیت کریمہ سے ایک اور راز کا انکشاف ہو گیا کہ خدا صرف اس کا ہی خدا نہیں جو اس کو مانے اور اس کی ہدایت پر عمل کرے بلکہ خدا تو سب کا رب ہے مگر امامت صالحہ کے حق دار صرف اور صرف مومنین ہی ہوں گے مگر رزق دُنیا میں مومن و کافر دونوں کو ملے گا۔ اس سے یہ بات خود بخود واضح ہو گئی کہ اگر دُنیا میں رزق کافروں کو فراوانی سے مل رہا ہے تو کوئی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ اس سے بھی راضی ہے۔ خدا جس کو چاہے دیتا ہے، جس کو چاہے بخشتا ہے وہ بڑا دینے والا ہے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا علم زلیخا کے شوہر کو ہوا اور یوسف زلیخا کی جانب ملتفت ہوئے تو آپ کو قید میں ڈلوا دیا گیا۔ تاکہ لوگوں کی زبان پر زلیخا کے شوہر کی بدنامی نہ ہو۔ اس پر حضرت یوسف نے اپنے رب سے ان الفاظ میں دعا فرمائی:- "اے رب میرے قید مجھے منظور ہے بہ نسبت اس کے میں وہ کام کروں، جو یہ لوگ (زنانِ مصر) مجھ سے چاہتے ہیں، اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا۔ اور بُرا کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں گا" یوسف ۳۳) یہ دعا بارگاہِ ایزدی میں مشرف ہو گئی۔

فرعونِ مصر کے حق میں یہ دعا کرتے ہوئے حضرت موسےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "اے رب میرے تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دُنیا میں زینت اور اموال سے نواز رکھا ہے۔ کیا یہ اس لیے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکائیں۔ اے رب میرے ان کا مال غارت کر دے اور ان کے دلوں پر ایسی مہر لگا دے کہ ایمان نہ لا سکیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں" (یونس ۸۸)۔ یہ دُعا باری تعالےٰ نے قبول فرمائی۔

قرآن پاک میں ذکر ہے کہ عمران کی عورت کہہ رہی تھی۔ "اے میرے رب میں اس بچہ کو جو میرے پیٹ میں ہے تیری نذر کرتی ہوں۔ تیرے کام کے لیے وقف کرتی ہوں، میری اس پیش کش کو قبول فرما تو سب کچھ سُنتا ہے اور جانتا ہے" (آل عمران ۔ ۳۵) یہ دعا عمران کی عورت نے مانگی۔ اگر عمران کی عورت سے مراد عمران کی بیوی ہے تو یہ حضرت مریم کے والد تھے۔ مگر مسیحی روایات کے بموجب حضرت مریم کے والد کا نام یوآخیم (UAKHEM) تھا۔ اگر یہ نہیں تو حضرت مریم عمران قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں (ابھی تک یہ امر فیصلہ طلب ہے) بہرحال اس بات کی صفائی اسی ہی سورت کی اگلی آیت میں ہو جاتی ہے۔ جس میں حضرت مریم کی والدہ اللہ تعالےٰ سے دعا گو ہیں:- "اے خدا میرے ہاں تو بچی پیدا ہو گئی۔ حالانکہ جو کچھ اس نے جنا تھا اللہ کو اس کی خبر تھی۔ اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا۔ خیر میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا اور میں اس کو اور اس کی آئندہ نسل کو شیطان مردود کے فتنہ سے تیری پناہ میں دیتی ہوں" (آل عمران ۳۶)

سورۃ المائدہ میں حضرت عیسیٰ ابن مریم کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ یاد کرو واقعہ حوارین کا۔ جب حوارین عیسےٰ نے کہا۔ اے عیسیٰ ابن مریم کیا آپ کا رب ہمارے لیے آسمان سے کھانے کا ایک خوان اُتار سکتا ہے تو عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اے لوگو! اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ حوارین نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ اس خوان کا کھانا کھائیں جو آسمان سے نازل ہو۔ اور ہمارے دل مطمئن ہوں اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے کہا سچ ہے اور ہم اس پر گواہ رہیں۔ تب حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اللہ جلّ جلالہ سے دُعا فرمائی:- "خدایا ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرما جو ہمارے اگلوں پچھلوں کے لیے خوشی کا موقع قرار پائے اور تیری جانب سے ایک نشان ہو" (المائدہ ۱۱۴)

اگر میں تمام انبیاء علیہم السلام کی دعائیں جو انہوں نے وقتاً فوقتاً مانگیں تحریر کرنے بیٹھوں تو ایک کتاب بن جائے مگر یہاں میں نے چند

مثالیں دے کر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ دُعا بندہ اور رب کے درمیان ایک امتیازی رابطہ ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام صدیقین، صالحین نے دعائیں اپنے رب سے مانگیں جن میں سب لاریب متقی تھے۔ اور جن پر تمام رموز حق و باطل منکشف تھے۔ یہ مشیّت ایزدی کے آگے سربسجود ہی نہیں رہتے تھے بلکہ گڑگڑا گڑگڑا کر قیبات حقیقی کے محتاج اور مغفرت کے دائمی طلب گار رہتے تھے۔

لوگ دعا کے معاملہ میں عموماً تقدیر کی بالادستی کی دلیل پیش کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ بُرائی اور بھلائی اللہ کے اختیار میں ہے اور وُہ اپنی غالب حکمت و مصلحت کے لحاظ سے فیصلہ کر چکا ہے۔ وہی لازماً ہو کر رہتا ہے تو پھر ہمارے دُعا مانگنے کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے۔ جو انسان کے دل سے دعا کی تمام اہمیّت و منزلت کو نکال دیتی ہے اور اس کو باطل خیال میں مبتلا کر دیتی ہے۔ جو شخص تقدیر پر بھروسا کر کے اعمال کو چھوڑ بیٹھا ہے تو اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے زمین سے غلّہ کا حاصل ہونا مقدّر ہے مگر جب تک زمین میں بیج نہ ڈالا جائے اور دیگر وسائل زراعت کو بروئے کار نہ لایا جائے تو غلّہ کا حاصل ہونا ناممکن ہے۔ اگر کسی کے حق میں شکم سیر ہونا مقدّر ہے تو جب تک وہ کھانا نہ کھائیگا شکم کیسے سیر ہوگا۔ پس تمام امورِ دُنیا و آخرت بھی اسباب و ذرائع پر موقوف ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرما کر واضح کر دیا ہے کہ کسی قسم کی پابندی و قیود اس حیّ و قیوم کے لیے نہیں ہے۔ صاف صاف فرمایا ہے:۔ یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ (الدھر ۳۱) یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔ تقدیر کے استدلال میں جہاں یہ آیت مِنْ نُّطْفَۃٍ فَقَدَّرَہٗ یعنی نطفہ کی بُوند سے پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقرر کی کے الفاظ آئے ہیں وہاں دسوں بیسیوں جگہ اس ہی مالکِ حقیقی نے واشگاف الفاظ میں ہمیں تلقین فرمائی ہے کہ مجھ سے مانگو، مجھے مشکل میں پکارو۔ اور جیسا کہ اس مضمون میں قرآن پاک کی متعدد آیات کریمہ کے حوالہ جات میں بتایا گیا ہے کہ خود رب العالمین نے ہمیں دعائیں مانگنے کے طریقے سکھائے ہیں۔ یہ سب کیوں؟۔ کس لیے؟۔ اگر سب کچھ مقدّر تھا تو یہ سب کیا ہے؟ یہ سب اس لیے کہ خداوند قدوس چاہتا ہے کہ بندہ اس کی ربوبیت کو پہچان لے۔ درحقیقت تقدیر کے مقدّر ہونے کی دلیل ہمیں اعمالِ آخرت دُرست کرنے کی طرف راغب کرتی ہے اور آمادہ کرتی ہے کہ ہم اس رب العرش العظیم کی عظمت کو اپنے دل اور دماغ سے تسلیم کر لیں۔

قرآن پاک کی سورۃ المومن سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہوتا ہے۔ جہاں خداوند قدوس نے صاف اور واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ مجھے پکارو۔ میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قضا و قدر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس نے ہماری طرح نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ باندھ دیے ہیں۔ دعا قبول کرنے کے اختیارات اسی ذاتِ برحق سے کسی اور ہستی نے چھین لیے ہیں۔ آپ اس طرح خیال فرمائیے کہ کسی قتل کے ملزم کو تعزیراتِ پاکستان کی رُو سے دفعہ ۳۰۲ کے تحت جج ضرور پھانسی کی سزا دیتا ہے جو قاتل کی تقدیر ہے۔ جج بھی مجبور ہے۔ طے شدہ قانون کے تحت سزا ناگزیر ہے۔ خدا تعالیٰ کے معاملہ میں اس طرح کوئی قدغن نہیں ہے۔ تقدیر بھی اتفاق سے اسی نے بنائی ہے اور لطف یہ ہے کہ دعا کا سُننے والا بھی وہی ہے اور کہا بھی ہے کہ دعا کرو۔ پھر اجتناب کیوں؟

ارے عقل مند سوچ تو سہی اگر تقدیر بنا کر ہماری قسمتوں کے فیصلے محدود کرنے ہوتے تو کیوں کھُلم کھُلا الفاظ میں ہمیں عبادت اور دُعا کی ترغیب دی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کیوں فرماتے مجھ سے مانگو۔ میں بخشنے والا ہوں۔ میں درگزر کرنے والا ہوں۔ میں تمہاری غلطیوں۔ کوتاہیوں کو معاف کرنے والا ہوں۔

پس غور کرو تو عیاں ہو جائے گا کہ باری تعالیٰ بلاشبہ بندوں کی فریاد سُنتا ہے اور فیصلہ بدل دینے پر قادر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں وہ خود فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (یوسف ۲۱)

یعنی خدا اپنے حکموں پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

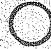
اس کے بعد کہنے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ رب العالمین کے فرامین حکمت و مصلحت سے خالی نہیں اور نہ اس نے اپنے بے پایاں اختیارات کسی اور کو تفویض کر رکھے ہیں۔ جو شخص گمراہی کو چھوڑ کر راہِ راست اختیار کرنا چاہے اس کو بھی عملاً راست روی اللہ ہی کی مشیّت اور اسی کی توفیق سے نصیب ہو سکتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ ضلالت و گمراہی کو چھوڑ کر ہدایت اور راہِ مستقیم کا انتخاب کرنے کا فیصلہ خود انسان نے ہی کیا ہو۔ اور اس کے بعد خدائے تعالیٰ سے صدق کا طلبگار رہے۔ یہی دعا انشاء اللہ شرفِ قبولیّت پائے گی۔

دیکھنا صرف یہ ہے کہ اس متاعِ گراں مایہ کا کون قدردان ہے اور مستفیض ہونے کا حق دار ثابت ہونے کی سعی کرتا ہے ❖

اِنِ الحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہم



اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

اِنِ الحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ - اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ. ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ - (پ ۱۲ ع ۱۵)

ترجمہ: حکومت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

محترم حضرات! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ملک میں عام انتخابات ہونے والے ہیں۔ بحیثیت مسلمان کے ہمارا فرض ہے کہ ہم ایسے لوگوں کو منتخب کریں جو اس ملک میں اللہ کا قانون نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ برائیوں کا خاتمہ اور حق و انصاف کا بول بالا دیکھنا چاہتے ہیں۔

خدا کا قانون کیوں؟

ہمارا عقیدہ ہے کہ حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لیے ہماری کوشش ہے کہ اُس کی مخلوق پر اُسی کا قانون لاگو ہو۔ ہمیں یقینِ کامل ہے کہ خدا کے قانون سے ہی جرائم کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور اسی کے نفاذ سے دنیا میں صلح و امن کی فضا قائم ہو سکتی ہے اس لیے کہ اُس کا قانون فطری قانون ہے وہ علّام الغیوب ہے۔ وہ انسان کے فطری تقاضوں اور احساسات و جذبات سے خوب واقف ہے۔ اُسے خبر ہے کہ مخلوق کس طرح کے قانون کے نفاذ سے گناہوں سے دستکش ہو کر راہِ راست پہ آ سکتی ہے اور آپ حضرات نے پڑھا یا سنا ہوگا کہ جہاں کہیں اور جب کبھی اس کا قانون نافذ رہا وہاں برائیوں کا قلع قمع ہو گیا۔ آج بھی جس ملک میں خدا کا قانون جس حد تک نافذ ہے۔ برائیاں اسی حد تک اس ملک سے ناپید ہو گئی ہیں۔ جرائم اسی نسبت سے کم ہو گئے ہیں۔

اور جہاں جہاں خدا تعالےٰ کے عطا کردہ فطری قانون سے روگردانی کی گئی وہاں جرائم میں اضافہ ہُوا اور امن و راحت اور مسرت و خوشحالی مفقود ہو گئے۔

محترم حضرات! اگر آپ چاہتے ہیں کہ اِس ملک میں امن و خوشحالی کا دَور دَورہ ہو۔ مصائب و مشکلات سے نجات مل جائے، اگر آپ کو وطنِ عزیز کی بقاء و استحکام عزیز ہے۔ اگر آپ اسے مضبوط اور خوشحال دیکھنے کے آرزومند ہیں۔ اور اگر آپ دنیا اور آخرت میں سُرخرو ہونا چاہتے ہیں تو صرف اور صرف ان لوگوں کو منتخب کریں جو خدائی قانون کے نفاذ کا وعدہ کرتے ہیں اور مخلوقِ خدا کو اپنا نہیں خدا کا محکوم سمجھتے ہیں۔

منافقوں سے ہوشیار رہیں

ایسے لوگوں کو ہرگز منتخب نہ کریں جو خدا کے قانون کو پسِ پشت ڈال کر انسانوں کے بنائے

ہوئے قانون کو ملک میں نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھئے خدا کے قانون سے انحراف کرنا اور فرد یا جماعت کے قانون کا اتباع کرنا منافقین اور بے وقوفوں کا کام ہے۔

ارشاد ہے :۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ ۔ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۔

ترجمہ : کیا آپ نے نہ دیکھا ان کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں۔ اس پر جو اترا آپ کی طرف اور جو اترا آپ سے پہلے (مگر) چاہتے ہیں کہ قضیے لے جائیں شیطان کی طرف۔ اور حکم ہو چکا ہے ان کو کہ اس کو نہ مانیں۔ اور چاہتا ہے شیطان کہ ان کو بہکا کر دور جا ڈالے۔

ہمیں ایسے منافقین سے دامن بچانا چاہیے جو خود کو بہت بڑا مسلمان کہلاتے ہیں مگر خدا کے قانون کے نفاذ کی بات کریں تو ان کے ماتھے پر شکن پڑ جاتے ہیں انہیں اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ محض دھوکہ دینے کے لیے اسلام کا نام استعمال کرتے ہیں۔ یہ اقتدار پر رہے مگر انہوں نے خدا کا قانون نافذ نہ کیا۔ اسلامی کانفرنس اور چند افراد کو حج پر بھیج کر لوگوں کو ٹرخاتے اور دھوکہ دیتے رہے۔

محترم حضرات! کچھ کم عقل خالقِ کائنات کی تعلیم فرمودہ سزاؤں پر بہت چیں بجبیں ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سزائیں سخت ہیں۔ ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ تم کیا خدائے رحمٰن و رحیم سے زیادہ مہربان اور اس کی مخلوق کے اس سے زیادہ خیرخواہ ہو کہ اس کی سزاؤں پر اعتراض کرتے ہو اور انہیں سخت سزائیں کہتے ہو۔ کیا سزا ایسی ہونی چاہیے کہ جسے مجرم باآسانی اور دلی خوشی برداشت کرے تاکہ آئندہ بھی جرائم کا سلسلہ جاری رکھ سکے۔

حیرت ہوتی ہے ایسی احمقانہ باتیں کہنے والوں کو چوروں، زانیوں اور قاتلوں پر کیوں ترس آتا ہے؟

قصاصِ زندگی

محترم حاضرین کرام! حقیقت یہ ہے کہ حق تعالےٰ ہمارا خالق ہے۔ اسے ہمارے فطری تقاضوں، ہمارے احساسات اور جذبات کا پورا پورا علم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس جرم کا انسداد کس سزا سے ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس نے ایسی سزائیں مقرر فرمائی ہیں جن سے جرائم کا قل[illegible] ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر قاتل کو قتل کرنے کا [illegible] ہے فرمایا ہے وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

مطلب یہ کہ اگر قاتل کو قتل نہ کیا گیا تو وہ کل ایک اور قتل کرے گا، پرسوں کسی اور کے خون سے ہاتھ رنگے گا۔

علاوہ ازیں دوسرے لوگ بھی قتل پر دلیر ہو جائیں گے اور یوں ایک قاتل کو چھوڑ دینے سے قتل و خونریزی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہو جائے گا۔ لیکن اگر قاتل ہی کو ختم کر دیا گیا تو دوسرے تمام لوگوں کو اس سے عبرت حاصل ہوگی اور وہ قتل کا ارادہ کرنے سے بھی خوف کھائیں گے اور یوں ان تمام لوگوں کی جان بچ جائے گی۔ جو قصاص کے نہ ہونے کی صورت میں نہ بچ سکتی ——— تو گویا صرف ایک قتل (وہ بھی قاتل کے قتل) سے بیسیوں کو زندگی مل گئی۔ اور اگر اسے چھوڑ دیا جاتا تو کئی بے گناہ ناحق مارے جاتے ——— یہی وجہ ہے کہ جس ملک میں قصاص پر عمل ہو[illegible] قتل نہیں ہوتے۔ اور جہاں قصاص پر عمل نہیں [illegible] وہاں روزانہ انسان قتل ہوتے رہتے ہیں۔

اب آپ ہی بتایئے کہ قاتل کو قتل کر کے بہت سے بے گناہوں کی جان بچا لینا بہتر ہے یا بہت سے بے گناہوں کو قتل کرانے کے لیے قاتل کو چھوڑ دینا بہتر ہے؟

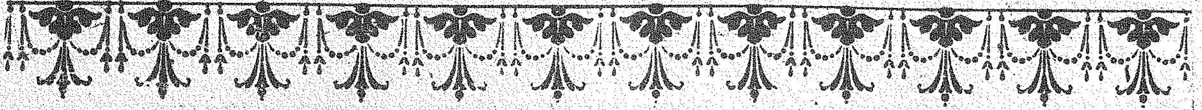
تو جو لوگ قاتلوں پر ترس کھاتے ہیں وہ دراصل فساد و خونریزی پھیلانا چاہتے ہیں اور اطمینان و سکون کو غارت کر کے معاشرے میں بدامنی اور بے چینی کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔

(باقی ۱۸ پر)

آزادیٔ نسواں

خواتین کے لیے اک لمحۂ فکریہ

تحریر :- فاروقی آفاقی - پرانی انار کلی ، لاہور



آج کل رسائل و جرائد بشمول روزانہ اخبارات میں آزادیٔ نسواں کا مسئلہ موضوعِ بحث بنا ہؤا ہے جس پر بے شمار مرد و خواتین اپنا زورِ قلم صرف کر چکے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے یہ مسئلہ نہ صرف اپنی جگہ قائم بلکہ اسی طرح دلچسپی کا مرکز بنا ہؤا ہے۔ جس طرح بچوں کے لیے کھلونوں کی کوئی دُکان !

بے شمار اہل قلم خواتین نے عورتوں کو معصوم و مظلوم ثابت کر کے اپنی صنف سے جانبداری کا ثبوت دیا ہے۔ جو کہ تصویر کا ایک رُخ ہے۔ تصویر کا دوسرا پہلو روشن کرنے کے لیے اگر مرد حضرات قلم آزمائی کرتے ہیں تو ان کی بات یہ کہہ کر رد کر دی جاتی ہے کہ ان کو ہماری مشکلات کا کوئی احساس نہیں۔ لیکن اس کے علاوہ کئی ہوش مند خواتین نے بھی عورت کے کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے جو کہ حقیقت پسندانہ فعل ہے اور ان کے فہم و ادراک پر دلالت کرتا ہے۔

ہمیں اس مسئلہ پر غور کرنا ہے کہ عورت آزادی کیوں چاہتی ہے ؟ اور یہ بھی سوچنا ہے کہ اس آزادی کے اثرات کیا ہوں گے ؟

اصل میں یہ سوال سنجیدگی سے غور کرنے کا طالب ہے اور ہمیں چاہیے کہ ذمہ داری سے مسئلہ کا حل تلاش کریں۔

عورت کیا ہے ؟

عورت چمن فطرت کا مہکتا ہؤا رنگین پھول ، کائناتِ حسن کا چمکتا ہؤا ستارہ اور نزاکت و محبت کا دمکتا ہؤا گوہر ہے۔ جس کی جتنی بھی حفاظت کی جائے کم ہے اور اس حفاظت سے اس کے حسن و جمال میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔

لیکن یہ تو چاہتی ہے اسے کوڑیوں کے مول قبر کے پھول کی طرح سجا کر فروخت کے لیے سر بازار رکھ دیا جائے۔ جہاں جس کا جی چاہے حرص و ہوس سے آلود نگاہوں سے پرکھ کر اس کا مول لگائے اور مزار کی زینت بنا دے۔ اور اسی میں یہ خوش رہنا چاہتی ہے۔

در اصل یہ احساس کمتری کے نہایت تاریک غار میں ٹامک ٹوئیاں مار کر معراج زن کی بلندیوں کو چھونا چاہتی ہے جو کہ اس کی دست رس سے بہت دور ہے کیونکہ اس نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ اس کو اور زیادہ تاریکیوں میں دھکیل دے گا۔ اور جب اس پر حقیقت واضح ہو گی تو یہ اتنی بے بس ہو چکی ہو گی کہ عورت کی حیثیت کو سمجھنا اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہو گا۔

یورپ کی مثال لیجئے سب سے پہلے آزادیٔ نسواں کا نعرہ وہیں لگایا گیا۔ لیکن اب ذرا دیکھئے تو وہاں عورت کس حال میں اپنی نسوانی زندگی کے سانس پورے کر رہی ہے۔ یورپین عورت کی شگفتگی ، نزاکت ، خوبصورتی اور وہ سب کچھ جو ایک عورت میں نسوانیت کی صورت میں ہوتا ہے ختم ہو چکا ہے۔

وہ سماجی برائیوں کے خلاف جنگ کرنے کی بجائے خود اس کے جال میں پھنس کر رہ گئی ہے۔ اس نے مرد سے

اپنے جائز حقوق مانگنے کی بجائے آزادی طلب کی جو اُسے اس کو مل گئی۔ اس آزادی نے اس کو اور زیادہ ذمہ دار بنا دیا لیکن وہ آزادی نبھانے کی بجائے لاپرواہ بن گئی۔ جس سے اس کی انفرادی حیثیت مجروح ہو کر ایک کھلونے میں تبدیل ہو گئی جس سے مرد حضرات نے جب چاہا اپنا دل بہلایا۔ اس کو نائٹ کلبوں میں نچوایا گیا۔ اس کے عریاں جسم کو پھڑکتے ہوئے فلم سکرین پر فلمایا گیا۔ اس کے بے لباس جسم کو تصاویر میں فریم کر کے اشتہارات میں تبدیل کر دیا گیا اس کی جوانی اور عصمت کو سربازار نیلام کی پھانسی پر چڑھا دیا گیا اس سے ہوٹلوں میں ویٹر اور طوائف دونوں کا کام لیا گیا۔ اس کو دفاتر میں کام کرنے کی دعوت دے کر اپنی جنسی ہوس پوری کی گئی لیکن یہ اُف تک نہ کر سکی۔ کرتی بھی کیسے۔ اس نے خود اپنے پاؤں پہ کلہاڑی ماری تھی۔ اس کے تصور میں ان باتوں کا شائبہ تک نہ تھا جو آج اس کے سامنے آزادی کی صورت میں درپیش آ رہی ہیں۔ اس نے آزادی سے جو ترقی حاصل کی ہے وہ سراب کی طرح ہے جس میں یہ بری طرح پھنس چکی ہے۔ لیکن اب اس سراب کی لذتوں سے باہر آنا اس کے بس کا روگ نہیں ہے۔

اس نے کیا آزادی حاصل کی؟

پہلے اگر مرد حضرات اس جنس کو منڈیوں میں فروخت کیا کرتے تھے۔ تو آج یہ خود فروخت کے لیے پیش ہوتی ہے۔ اس کو فروخت کرنے کے لیے نمائش لگائی جاتی تھی۔ تو آج یہ خود اپنے حسن و شباب کی دکان سجا کر نمائش کا اہتمام کرتی ہے۔ پہلے یہ مخصوص جگہوں پر فروخت ہوتی تھی لیکن اب یہ سرِعام نمائش کا سلسلہ بھی جاری رکھتی ہے اور خرید و فروخت بھی!

فرق کیا ہوا؟

کیا یہ صرف اپنی فروخت پر سے مردوں کی اجارہ داری ختم کرنے کے لیے آزادی چاہتی تھی؟

اس کے برعکس اسلامی معاشرہ میں عورت ایک ایسے مقام پر فائز ہے جہاں سے وہ معاشرہ کو کنٹرول کرتی ہے، اس کو سنوارتی ہے اور اس کی برائیاں ختم کرتی ہے وہ ایک بیوی، ایک بیٹی اور ایک ماں ہو کر خدمت کو اپنا شعار بناتی ہے وہ ایک چھوٹی سی جنت کے خواب دیکھ کر اس جنت کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتی ہے جس کی وہ تنہا مالک اور محافظ ہوتی ہے۔

اسلامی معاشرہ میں پردے کو رواج دیا گیا۔ صرف اس لیے کہ عورت کی پاکدامنی کی حفاظت کی جائے۔ اس کے حسن و شباب کو حرص و ہوس کی ہواؤں سے محفوظ رکھا جائے۔ اس کو غیر مردوں سے ملنے جلنے سے روکا جائے۔ اس کو شرم و حیا کے زیور سے آراستہ پیراستہ کیا جائے۔

لیکن صد افسوس اس نے ان باتوں کو کوئی وقعت نہ دی۔ اس نے مساوات کا نعرہ لگایا۔ اور میدانِ عمل میں کود پڑی۔

جیسے یہ کوئی کھیل کا میدان ہو اور کھیل بھی وہ کھیلے جس میں اس کے جیتنے کے امکان روشن ہوں۔ اس نے ہر میدان میں بڑھنے کی کوشش کی اور کچھ کامیاب بھی ہو گئی۔ لیکن یہ اس کھیل میں احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گئی۔ صنفِ مخالف کی طاقت اس کی مستقل مزاجی اور دھیما پن اس کی چڑ بن گیا۔

یہ تو ایک جذبات کی ہواؤں میں اڑ جانے والا کمزور پرندہ تھی جب کہ مخالف تو شہ زور شاہین تھا۔ جس کو جذبات کی آندھیاں بھی اڑنے پر مجبور نہ کر سکتی تھیں۔

اس نے مخلوط تعلیم بھی حاصل کر کے دیکھی لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

آخر کار اس نے بھی یورپین خواتین کی طرح اپنا احساسِ کمتری ختم کرنے کے لیے آزادی کا نعرہ لگا دیا۔ اس نے یورپین خواتین کی تقلید میں اپنے آپ کو نمائش کے لیے پیش کر دیا۔ یہ بھی انہی خطوط پر گامزن ہو گئی جدھر یورپین خواتین نے آزادی کا پرچم اٹھائے پیش قدمی کی تھی۔ اس نے مسلم اور غیر مسلم عورتوں کے مابین فرق کو ختم کرنے کی کوشش کی جو ابھی تک جاری ہے

اس نے اپنی عظیم اخلاقی اور ملی قدروں کو پسِ پشت ڈال دیا اور جسم کے کپڑے اتارنے میں مصروف ہو گئی۔

ہمارے ملک پاکستان کی خواتین ربع صدی پہلے ایک

لمبا چوڑا گھیردار برقع استعمال کیا کرتی تھیں جس کو آج کل کفن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس برقعے میں پوری طرح پردہ ہوتا تھا لیکن ترقی کے رجحان نے اس برقعے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر اس برقعے میں رد و بدل شروع ہوا۔ پہلے آنکھوں کے آگے باریک جالی پڑی رہتی تھی لیکن پھر اس جگہ نقاب نے اپنے قدم جمائے۔ اور کچھ عرصہ مضبوطی سے قائم رہا۔ انسانی فطرت میں جمود نہیں ہے اس لیے نقاب کو پیچھے الٹ دیا گیا۔

پھر اس برقعے ہی کو چھوڑنے کا خیال دامن گیر ہوا۔ اور چادر شریف استعمال میں لائی گئی۔ جس کو جسم کے گرد خوب کس کر لپیٹا جاتا تھا پھر یہ بھی ناپید ہو گئی اور اس خلاء کو دوپٹے نے پورا کیا۔ جو کچھ عرصہ اسی طرح مستعمل رہا۔ لیکن پھر اس میں تبدیلی لانے کا خیال پیدا ہوا۔ اور اس کو لپیٹ کر پٹی بنا کر اور سکیڑ کر رسی بنا کر گلے میں ہار کی جگہ استعمال کیا گیا۔ جو کہ آج بھی اسی طرح سکول کی لڑکیوں کے یونیفارم میں استعمال ہو رہا ہے۔

اگر اس کام کو یہیں پر ختم کر دیا جاتا تو کوئی بات نہ تھی لیکن پھر لباس پر غور کیا گیا۔ یہ اتنا ڈھیلا ڈھالا کیوں ہے۔ شلوار کے بڑے پائنچوں کو لپیٹ کر ٹیڈی کا نام دیا گیا اور قمیض گھٹنے سے کچھ اوپر بڑھی اور سب سے زیادہ کام اسی قمیض کو گھٹانے پر کیا گیا۔ پوری آستین سے آدھی ہوئی۔ اور بعد ازاں یہ بھی ختم اور بغیر آستین کا رواج شروع ہوا۔ قمیض کا گلا چھوٹا ہوا کرتا تھا۔ اس سے پہلے بٹن اور کالر لگائے گئے۔ پھر کمر کی طرف زنجیر نے اپنے پاؤں پسارے۔ پھر بڑے گلے دار قمیض سامنے آئی، لمبائی اور چوڑائی بھی سمٹ گئی اور یہ بلاؤز نما قسم کی کوئی چیز رہ گئی۔

شلوار کی شامت آئی تو اس کے گھیرے کو کم کر کے پائنچے بڑے کر دیے گئے۔ پھر یہ بھی ختم، بیل باٹم نامی پاجامے آئے۔ لیکن فلیپر نے ان سب کی جان بخشی کر دی۔ اور مختلف ڈیزائنوں میں جلوہ افروز ہوا۔ آزادی کے دلدادہ اور ماڈرن ازم کے پجاری گھرانوں میں یہ سب کچھ اسی طرح ختم ہو کر پینٹ شرٹوں تک جا پہنچا۔

ساڑھی کو لیجئے۔ پورے پورے بازو اور تنگ گلے کا بلاؤز سکڑ سمٹ کر چار انگلیوں کی چوڑائی میں سما گیا۔ ساڑھی کا آنچل سر سے اتر کر گلے کی ایک جانب سے اترتا ہوا غائب ہو گیا۔

پھر بھی جی نہیں سیر ہوا تو چہرے کی توڑ پھوڑ بھی ضروری سمجھی گئی۔ لمبے کالے بال جو عورت کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں اور جنہیں شعراء حضرات نے اپنی توجہ کا خاص مرکز بنایا ہے۔ کمر سے گھٹ کر شانوں پہ آ گرے اور ان میں کچھ ترمیم کر کے پھوں کی شکل عطا کی گئی۔

پھر انہیں بھی غیر ضروری سمجھ کر ان پر مصنوعی بالوں کے خول چڑھا دیئے گئے۔ جب چاہا ڈیزائن اور رنگ بدل دیا۔

لیکن سونے پہ سہاگے کا کام کپڑا بنانے والوں نے کیا۔ جنہوں نے نظروں کو ایکسریز بنانے کے لیے کپڑے کو باریک سے باریک تر کر دیا۔ تاکہ ہر شخص کامیابی کے ساتھ صناعیٔ قدرت کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو سکے۔ اس طرح ایک ایسی نمائش کو فروغ دیا گیا جو ہر جگہ لگائی جا سکے۔

اور یوں پاکستانی خواتین نے نسوانی آزادی کی ارتقائی منازل طے کیں۔

قبل از اسلام میں عورت کی حیثیت

اسلامی معاشرہ میں عورت محکوم نہیں بلکہ ایک خود مختار حکمران ہے جسے اپنی سلطنت (گھریلو ماحول) میں حکم چلانے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ اسلامی معاشرے میں عورت کو وہ آزادی دی گئی جو اسے پہلے کبھی حاصل نہ تھی۔ اسے معاشرے کی برائیوں سے بچایا گیا۔ عورت اپنے ماضی پہ نظر دوڑائے تو اسے معلوم ہوگا۔ کہ وہ پہلے کیا تھی اور اب کیا ہے؟

قبل از اسلام صحرائے عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا رواج تھا۔ یونانیوں کے نزدیک بیوی کو جائیداد کی حیثیت حاصل تھی جسے بوقت ضرورت خرید و فروخت کیا جا سکتا تھا۔ قدیم

ایرانی اور روشن معاشرے جو کہ جدید تہذیب کے حامل تھے عورتوں کو بھیڑ بکریوں سے زیادہ حیثیت نہ دیتے تھے۔ غرض کہ وہ بہت بُری حالت میں زندگی کے سانس پورے کر رہی تھی۔

جب خورشیدِ اسلام نے انسانیت پر چھائے ہوئے سیاہ دبیز پردوں کو چاک کر کے انسان کو اس کے صحیح نصب العین سے آگاہ کیا تو عورت کو بھی اس کا جائز مقام دلایا۔ جس کے لیے وہ عرصۂ دراز سے ترس رہی تھی۔ اور بہت سی ایسی معاشرتی برائیوں کا قلع قمع کیا جس میں عورت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔

قبل ازیں اسلام زنا جو کہ ایک قبیح فعل اور گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ ایک عبادت سمجھ کر کیا جاتا تھا۔ بند کیا۔ رومن حکمرانوں کے نزدیک زنا کرنے کے بعد غسل جنابت نہ کرنا عین عبادت تھا۔ اور وہ اسے پاکیزہ فعل کہا کرتے تھے لیکن اسلام نے ان سب پر قدغن لگا کر حدودِ شرعی کو جاری کیا اور اس طرح اس برے فعل کو پھلنے پھولنے سے روکا۔ جو ازمنہ قدیم سے مذہبی رسومات سے ہم آہنگ ہو کر عورت کی نسوانیت کو ڈس رہا تھا۔ اسلام میں اس برائی کا اور زیادہ بیخ کنی کرنے کے لیے ایک سے زیادہ شادیوں کو رواج دیا گیا۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اگر تم ان میں برابری کر سکو ورنہ نہیں۔

نسوانی آزادی کے اثرات

یورپین معاشرہ جو کہ ایک جدید ترین ترقی یافتہ معاشرہ ہے اس میں نسوانی آزادی کی وجہ سے اتنی بداخلاقی پھیل چکی ہے کہ ہر چھوٹا بڑا اس کی گندگی کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔

مرد و زن کے آزادانہ میل جول سے ہر وہ بیماری پیدا ہو گئی ہے جسے اسلام میں آج سے چودہ سو برس پیشتر پردہ کا حکم دے کر ختم کر دیا گیا تھا۔ یورپین عورت نے آزادی کے نشہ کی ترنگ میں آ کر ان تمام برائیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے جن سے اسلام نے عورت کو گھر میں پابند کر کے رکھ کر چھٹکارا دیا تھا۔

یورپین معاشرے میں خواتین کی غیر ضروری آزادی سے جنسی اختلاط اس قدر بڑھ چکا ہے کہ اس کو روکنا ان کے دائرۂ اختیار سے باہر ہو چکا ہے۔ اسی لیے بعض ملکوں میں اسقاطِ حمل کی قانونی طور پر گنجائش پیدا کی گئی ہے اور جن یورپین ملکوں میں اسقاطِ حمل کو ابھی تک قانونی حیثیت حاصل نہیں وہاں پر بھی اس کو قانونی حیثیت دلانے کے لیے تحریکیں چل رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے اسقاطِ حمل کا طوفانِ بدتمیزی، اخلاقِ انسانی کی بلند فصیلوں کو ڈھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ امریکہ جو کہ زمانہ حال میں جدید ترقی یافتہ ملکوں میں سرِفہرست ہے وہاں بھی اسقاطِ حمل کو قانونی حیثیت حاصل ہے — بین الاقوامی ادارہ صحت کی ایک اسقاط حمل کی رپورٹ کے مطابق نیویارک شہر میں یکم جولائی ۱۹۷۰ء سے ۳۰ جون ۱۹۷۲ء یعنی دو سال کے عرصہ میں قانونی طریقہ سے چار لاکھ بیس ہزار سے زائد حمل گرائے گئے جو کہ انسانیت کے علمبرداروں کے منہ پر بہت بڑا طمانچہ ہے اور یہ بات بھی صاف ظاہر ہے کہ بہت سے حمل غیر قانونی طریقہ سے بھی اسقاط کئے گئے ہوں گے۔

لیکن اس کے باوجود وہاں بن باپ کے بچوں کا ایک شدید سیلاب آ چکا ہے۔ جن سے نپٹنا اس نئی تہذیب کے حامل ملک کے لیے بہت مشکل ہے۔

آخر اس اخلاقی گراوٹ کا پس منظر کیا ہے؟

جدید قدروں کا حامل موجودہ ترقی یافتہ انسان اپنے پیش رو سے اخلاقی طور پر اتنا کمتر کیوں ہے؟

وہ کیا وجوہات ہیں جن کی بنا پر یہ اتنی پستی میں گر چکا ہے؟

اس کی واحد وجہ موجودہ انسان کی مذہب سے بیزاری نظر آتی ہے۔ اس نے مذہب سے بیگانہ پن اختیار اختیار کیا ہے جو اس کو اخلاق سے دُور تر لیے جا رہا ہے۔ انسان نے سائنس کی روشنی میں لیے جا رہا ہے۔ انسان نے سائنس کی روشنی میں مذہبی قدروں کو ٹھکرا دیا ہے۔

مذہب کیا ہے؟ مذہب ہی وہ واحد طریقہ

جس میں اخلاق کی ضرورت پر سب سے زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ کسی بھی مذہب کا سب سے بڑا اصول برائی اور بدی سے بچانا اور اچھائی اور نیکی کا حکم دینا ہے لیکن جب مذہب ہی سے واسطہ اور سلسلہ منقطع کر دیا جائے تو پھر وہ کون سا ضابطہ ہے جو انسان کو برائی سے روکے اور اس کو گناہ کی لذتوں سے بچائے۔

یہی وجہ ہے کہ موجودہ انسان اپنے پیشرو سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہوئے بھی رسوائی و ذلت کی تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

میں اپنے وطن عزیز کی دختران سے گذارش کرونگا کہ وہ اہل یورپ کی اندھی تقلید نہ کریں۔ بلکہ اس راستے کے تاریک پہلوؤں پر بھی نظر ڈال لیں۔ جس پر آپ بلا سوچے سمجھے چلنا چاہتی ہیں۔ آپ کون سی آزادی چاہتی ہیں؟ کیا اسلام نے آپ کو جائز مقام نہیں دلایا؟

۱۔ کیا آپ کو وراثت میں حقدار نہیں ٹھہرایا؟
۲۔ کیا آپ کے لیے حق مہر کو ضروری نہیں سمجھا؟
۳۔ کیا آپ کو بیوہ ہونے کے بعد دوبارہ شادی کرنے کی اجازت نہیں دی گئی؟
۴۔ کیا اس طرح اسلام نے آپ کی عزت اور عصمت کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی؟

آپ کو وہ تمام تر سہولتیں فراہم کیں جو آپ کو پہلے کبھی مہیا نہ تھیں۔

لیکن صد افسوس! آپ نے اپنی مذہبی روایات کو بالائے طاق رکھ کر غیر مسلم معاشرے کی خواتین کو مدنظر رکھتے ہوئے آزادی کا نعرہ بلند کر دیا۔ جو کہ آپ کی جہالت اور کم عقلی پر دلالت کرتا ہے

آپ کن الجھنوں میں گرفتار ہونا چاہتی ہیں؟

یورپ کی معاشی و اقتصادی ترقی ایک مسلمہ حقیقت سہی۔ لیکن ان کی اخلاقی اور روحانی گراوٹ کو بھی تو دیکھئے وہ اس میدان میں ہم سے کتنے پیچھے ہیں۔

آپ اس بات کا حوالہ دیتی ہیں کہ وہاں خواتین مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہیں اور اسی وجہ سے ان کو معاشی ترقی سے ہمکنار کیا ہے۔ آپ وہاں کی خواتین کی زندگی کو دیکھئے جو ایک چکر کی طرح گردش میں ہے۔ یورپین عورت کام کاج اتنا ہی کرتی ہے جتنا کہ وہ آزادی سے پہلے کیا کرتی تھی۔ لیکن اب اس کی ذمہ داریوں میں از حد اضافہ ہو چکا ہے وہ صبح کو گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر دفتر جاتی ہے واپس آکر بھی وہ گھر کو سنبھالتی ہے۔ شوہر اور بچوں کی نگہداشت بھی کرتی ہے۔ گھر کی صفائی اور کھانا پکانا بھی اسی کے ذمہ ہے وہ بیک وقت ماں، بیوی اور دفتری ملازم بھی ہے۔ جس سے وہ ایک مصروف زندگی گذار رہی ہے۔ اس کی خانگی زندگی کا چین و سکون غارت ہو چکا ہے۔ وہ خاوند کے پیار کی متلاشی ہے، بچے اس کے پیار کو ترستے ہیں اور اس لٹے ہوئے سکون کو وہ غیر مردوں کی باہوں میں تلاش کرتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں آپ اتنی کم عقل تو ہیں نہیں کہ اس جھوٹی آزادی کے پیچھے اپنا آرام، چین و سکون جو آپ کو اپنے گھر رہ کر میسر ہے ختم کر دیں۔

۱۔ آپ آزادی کیوں چاہتی ہیں؟
۲۔ آپ کیسی آزادی چاہتی ہیں؟

جواب دیجئے!

آپ محکوم تو نہیں ہیں۔ آپ پر اسلامی قدروں کے سوا اور تو کسی قسم کی قید نہیں لگی ہوئی۔ پھر یہ آزادی کا نعرہ کس لیے؟

کیا آپ چاہتی ہیں؟

۱۔ کیا آپ لباس کی قید سے آزاد ہونا چاہتی ہیں؟
۲۔ کیا آپ آزادانہ جنسی اختلاط کو فروغ دے کر بن باپ کے بچوں کی پرورش کرنا چاہتی ہیں؟
۳۔ کیا آپ اپنی چین و سکون سے لبریز زندگی کو تیاگ کر کے مشینی پرزے کی زندگی گذارنا چاہتی ہیں؟
۴۔ کیا آپ عورت کے فطرتی عمل کو ختم کرنا چاہتی ہیں جو وہ محبت کی صورت میں اپنے شوہر اور بچوں کو ادا کرتی ہے۔
۵۔ کیا آپ نے فطری نسوانی حسن کو مشینی زندگی کی بھینٹ چڑھانا چاہتی ہیں؟
۶۔ کیا آپ اپنی فطری آزادی کو ختم کر کے اپنے

انفرادی مقام کو کھونا چاہتی ہیں؟

میں سمجھتا ہوں آپ ہرگز ہرگز ایسا نہیں چاہتیں آپ تو اچھی سمجھدار باشعور مسلمان خاتون ہیں۔ پھر آپ کیوں آزادیٔ نسواں کے سراب میں الجھ کر اپنی نسوانیت کھونا چاہتی ہیں۔

خدارا آپ اس بارے میں سوچئے گا بھی نہیں۔

یورپی عورت نے آزادی کے خوشنما فریب کو اپنا کر اپنی معاشرتی اور ازدواجی حیثیت کو نیست و نابود کر دیا ہے۔ وہ حرص و ہوس کی ایسی جنسی پتلی بن کر رہ گئی ہے جو صرف دولت کے اشارے پر ناچنا جانتی ہو۔ آپ بھی اس طلسمی فریب سے دھوکا مت کھائیے۔ جس میں پھنس کر آپ زندگی کی حقیقی لذتوں کو بھلا بیٹھیں گی۔ یہ راستہ سراسر تباہی کا راستہ ہے۔ جو آپ اپنانے کا ارادہ کر رہی ہیں۔ آپ آزادی نہیں بلکہ قید خانے کی تاریکیوں میں دفن ہونا چاہتی ہیں۔ جہاں پابندیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

آگے بڑھئے اور ایسی جد و جہد کا آغاز کیجئے جس سے آپ سماجی اور معاشرتی برائیوں کا خاتمہ کر سکیں جو برائی آپ کی نظروں کے سامنے پنپتی ہے۔ آپ بذاتِ خود اس برائی کا خاتمہ کر سکتی ہیں۔

میں امید کرتا ہوں آپ اس صحت مند معاشرے کی صحیح دیکھ بھال کر کے اس ملک کو ترقی کی ایسی رفعتوں تک پہنچا سکتی ہیں جہاں ہر فرد آزادانہ حیثیت کا مالک ہو۔

بقیہ: ان الحکم الا للہ

خلاصہ یہ کہ اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں کو ظلم کہنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر مہربان ہے اَللّٰہُ لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ ۔ وہ اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۔ اس کی مقرر کردہ سزائیں ہی جرائم کی مؤثر روک تھام کر سکتی ہیں۔

حاصل یہ کہ جب اس ملک میں خالق کائنات کا قانون نافذ ہوگا تو یہ ملک امن و راحت کا گہوارہ بنے گا۔ یہ ملک خدا کی رحمتوں اور عنایات کا مہبط ہوگا۔ ہماری ہر طرح کی مشکلات ختم ہوں گی اور ہم ترقی کے منازل طے کرنے کے قابل ہوں گے۔

اور اگر خدانخواستہ ہم نے اب بھی ہوشمندی کا مظاہرہ نہ کیا اور ایسے لوگوں کو برسرِ اقتدار لائے جو ایسا قانون چاہتے ہیں جس میں وہ جب چاہیں اور جیسی چاہیں ترمیم کر سکیں تو یقین کیجئے۔ ہماری مشکلات و مصائب میں اضافہ ہوگا اور ہم نت نئے مصائب و آلام کا شکار ہوتے رہیں گے یاد رکھیئے! ؎

مل نہیں سکتا سماوی امن و راحت کا پیام
وہ "شہنشاہی" حکومت ہو کہ "جمہوری" نظام
مٹ نہیں سکتے تباہی کے جراثیم خطیر
نوعِ انساں گر رہی دستورِ انساں کی غلام

افاداتِ محمود

مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمود زید مجدہم کے ارشادات



ضبط و ترتیب : مولوی محمد یوسف خان

الفرق بین التفسیر والتاویل

فرقِ لغوی تفسیر ماخوذ ہے فسر سے۔ فسر کا معنی ہے اَلْکَشْفُ مَا غُطِّیَ۔ لہٰذا قرآن مجید کے معانی کا بیان کرنا یہ تفسیر ہے۔ بلکہ ہر اس چیز کا بیان ما یعرف بہ الشیٔ و معناہ فھو تفسیر لہ۔

تو معلوم ہوا کہ قرآن کے معانی بھی جس چیز سے کھولے جائیں اور پہچانے جائیں اسے تفسیر کہتے ہیں۔

تاویل مشتق ہے اَوْل سے۔ باب نصر ینصر مہموز الفاء ہے اور معتل العین (یعنی اجوف) بھی ہے۔ جیسے قال یقول نصر ینصر سے۔ مثلاً کہا جاتا ہے اَوَّلْتُہٗ فَآلَ اَی صَرَّفْتُہٗ فَانْصَرَفَ۔ یعنی پھیر دیا۔ الغرض اس کے معنی ہیں صرف الشیٔ الی الغایۃ (کسی چیز کا غایت کی طرف لوٹا دینا)

اصطلاحی فرق یہ ہے کہ :-

التفسیر ما یتوقف علی النقل المسموع یعنی تفسیر وہ ہوتی ہے جو کسی نقل مسموع عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہوتی ہے۔

اور التاویل ما یتوقف علی الفہم الصحیح۔ یعنی تاویل موقوف ہوتی ہے فہم صحیح پر۔

مراد یہ ہے کہ اگر فہم صحیح کے ساتھ لغت عربیہ کے قواعد کے مطابق اور قرآن و سنت کے مطابق قرآن کریم کا اپنے فہم سے ایسا معنی کیا جائے جو کہ منقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو تو وہ تاویل ہے۔

چنانچہ مفسرین نے تفاسیر بھی نقل کی ہیں — اور تاویلات بھی۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کے لیے دعا فرمائی تھی۔

اللّٰھم علمہ الکتاب وفقھہ فی الدین۔ ایک روایت میں ہے علمہ التاویل۔ یعنی اے اللہ ابن عباسؓ کو ایسا فہم عطا فرما کہ وہ مطالب قرآن کو سمجھیں۔

معلوم ہوا کہ علمہ التاویل و علمہ الکتاب کی مراد ایک ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی برکت کی وجہ سے ابن عباسؓ کو حبر الامۃ کہا گیا ہے۔

التفسیر بالرائے

ایک حدیث ترمذی نے نقل کی ہے۔ وقال بعد ھذا وھذا حدیث حسنٌ۔

اس حدیث میں ہے۔ من قال فی القرآن برأیہ فلیتبوّأ مقعدہٗ من النار۔

اس حدیث میں شدید وعید ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی رائے سے، اپنے فہم سے قرآن کے بارے میں کچھ کہنا جائز نہیں ہے اور سبب ہے دخولِ نار کا۔

بظاہر اس حدیث نے تاویل کا راستہ بند کر دیا ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہوا کہ تاویل کہتے ہیں کہ فہم صحیح کے کسی معنی کو بیان کیا جائے۔ بدون النقل۔

لہٰذا اس حدیث کو اگر ظاہر پر عمل کیا جائے تو تاویل کے راستے بند ہیں۔ لیکن یہی حدیث دوسرے الفاظ میں بھی منقول ہے۔ اس میں یہ ہے :۔

من قال فی القران بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ (الحدیث)

اس روایت کو بھی امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ ایک روایت میں برائیہ ہے ایک میں بغیر علم ہے۔

اسی طرح امام ابوداؤد نے سنن میں ایک روایت نقل کی ہے۔

عن جندب بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال فی القران برائیہ فاصاب فقد اخطاء (جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کہا اور وہ صحیح تھا تو بھی غلط ہے) کیونکہ علم کے بغیر رائے دی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ برائیہ سے مراد بغیر العلم کی رائے مراد ہے چونکہ وہ جاہل ہوتا ہے۔ اور کبھی جاہل کی بات صحیح بھی نکل آئے تو بھی اس کو غلطی پر شمار کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے جناب صدیق اکبرؓ سے سورۃ عبس کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا گیا ــــ کہ وفاکھۃ وابّا۔ یہاں سے کیا مراد ہے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا۔ ایّ سماء تظلنی وایّ ارض تقلنی اذا قلت فی کتاب اللہ بغیر علم۔

اسی طرح ایک روایت میں حضرت عمرؓ کے بارے میں ہے کان یخطب عمر وقرأ وفاکھۃ وابا۔ پھر فرمایا کہ ہم فاکھۃ کو تو جانتا ہوں لیکن ابّا کو نہیں جانتا۔ یہاں یہ مقصد نہیں کہ وہ اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ ابّا سے مراد سبزی مراد ہے جو زمین اگاتی ہے بلکہ یہاں کون سی سبزی مراد ہے اس کی تعیین کا علم نہ تھا اس لیے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ تو جناب عمر فاروق رضؓ نے ابّا کی تفسیر سے سکوت فرمایا اور یہ تکلف نہیں کیا کہ لازماً اس کے معلوم کرنے کے درپے ہو جائیں۔

تفسیر بالرائے سے کیا مراد ہے ؟

بہر حال علماء کرام نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ حدیث نہی عن القول فی القران برائیہ سے مراد بغیر العلم ہے۔ یا علم تو ہے لیکن یہ رائے قرآن و سنت کے صریح احکام کے خلاف ہے۔ یعنی اس شخص کی ایک اپنی مراد ہے اس پر وہ قرآن کو منطبق کرتا ہے۔ جیسے بدعتی۔ معتزلہ۔ خوارج یا دوسرے فرقِ باطلہ۔ کہ وہ لوگ قرآن کریم سے اپنی بدعت و مراد کے لیے حجت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس حال میں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ جس بیان کو قرآن کریم سے استنباط کر رہا ہے وہ قرآن کریم کے صریح احکام کے خلاف ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے کہ یہ اللہ کی مراد نہیں ہے لیکن صرف مقابل کو شکست دینے کے لیے۔ یا اپنی بدعت و مراد پر حجت قوی کرنے کے لیے یا لوگوں کو التباس میں ڈالنے کے لیے یا کسی بھی مذموم غرض سے ایسا کرنا چاہیے تو یہ القول فی القرآن برائیہ ہے یہ ممنوع ہے اور اس کے لیے شدید وعید ہے۔

اقسام تفسیر بالرائے

معلوم ہوا کہ بالرائے کی چند قسمیں ہیں۔ چند درجہ جواز میں ہیں اور چند ممنوع ہیں۔

اوّل : من غیر علم بالجہل ہے کہ عالم نہیں ہے بلکہ جاہل ہے۔ اور جہالت سے ہی قرآن کا کوئی مقصد بیان کرتا ہے۔ اب یہ شخص اگر صحیح بھی بیان کر دے تو بھی یہ داخل تحت النہی ہے اور یہ بھی مذموم و ممنوع ہے۔

دوم : عالم ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کی غرض تفسیر سے برا کام ہے تو یہ بھی مذموم و ممنوع ہے۔

سوم : عالم ہے اور قرآن میں عقل و فہم سے بات کرتا ہے۔ مثلاً ایک قرآن کی آیت محتمل الوجوہ ہے اور یہ اس میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتا ہے بالفہم۔ اور یہ وجہ قرآن و سنت کے خلاف بھی نہیں ہے۔

اور نیت بھی بُری نہیں ہے اور نہ ہی کسی مخاصمہ میں کسی خصم کو اپنی مراد کے لیے شکست بھی نہیں دینا چاہتا۔ تو یہ داخل تحت الوعید نہیں ہے۔ بلکہ جائز ہے اور علماء نے ہمیشہ اسی طرح کیا ہے۔

تفسیر بالرائے بطریق المخصوص جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ تیسری قسم جائز ہے۔ چنانچہ صحابہ رضؓ نے اس طریق پہ تفاسیر کی ہیں۔ اور پھر ان تفاسیر میں صحابہؓ کے درمیان اختلاف بھی ہوا ہے۔ اور ان تفاسیر کے بارے میں کوئی بھی نقل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے ورنہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا اور کسی تفسیر کی ضرورت نہ رہتی۔

جیسے حضرت عمر فاروق رضؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اعیانِ صحابہؓ کی ایک مجلس بنائی ان میں عبداللہ بن عباسؓ کی نامزدگی پہ اعتراض کیا اور کہا کہ ہمارے بھی بیٹے ہیں۔ واللہ ابناءُ مثلہ۔

یاد رہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی عمر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت چودہ برس تھی۔ اور خلافت صدیقی کا زمانہ شامل کر لیں تو اس وقت تقریباً ان کی عمر سترہ برس تھی۔ تو سترہ برس کا لڑکا اکابر صحابہؓ کی مجلس میں بیٹھ کر رائے دے یہ معیوب سمجھا گیا۔ کہ اس طرح تو اور بھی لڑکے ہیں۔

چنانچہ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں کا امتحان لیا اور سب کو کہا۔ کہ تم یہ بتلاؤ کہ سورۃ النصر سے تم کیا سمجھتے ہو کہ اذا جاء نصر اللہ والفتح (الایہ)

تو تمام صحابہ کرامؓ نے اس کے ظاہر کے مطابق بتلایا کہ جب فتح ہونے لگے اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگیں تو آپ حمد و استغفار کیا کریں۔ لیکن جب ابن عباسؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ فیہ اجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا پیغام ہے)

تو تمام صحابہؓ انگشت بدنداں رہ گئے۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سورت میں کہا گیا ہے کہ جب لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگیں تو لوگ مائل فی الاسلام ہوں گے تو آپ تحمید و استغفار کریں۔ حالانکہ حکم تو یہ ملنا چاہیئے تھا کہ احکام سمجھائیں جبکہ تسبیح و تحمید رسول کا وظیفہ نہیں۔ یہ رسالت کا اصول ہے۔ اس کا ایک مشن ہے لیکن اس وقت مشن سے ہٹ کر حکم آیا۔ معلوم ہوا کہ اب احکام پہنچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دین کامل ہو گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہو گیا کہ مقصد بعثت پورا ہو گیا ہے۔ لہٰذا آپؐ کی موجودگی کی ضرورت نہیں تو اشارہ اجل تھا۔

تو اس کے بعد تمام صحابہ پر ابن عباس کو برتری حاصل ہو گئی۔ جبکہ یہ بات [illegible] عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھی بلکہ ابن عباسؓ نے اپنی رائے سے فرمایا تھا۔

تو اس طریقے پر رائے دینے کو قابل تحسین شمار کیا گیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ایسا کوئی شخص جو علم کے ساتھ قرآن سے ایسی بات مستنبط کرتا ہے جو قرآنؐ حدیث کے خلاف نہیں ہے تو ایسے فوائد و لطائف و نکات مستنبط کرنا یہ جائز ہے۔

جاہل کی صحیح تفسیر بھی غلط ہے

لہٰذا اگر جاہل تفسیر کرے تو اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو بھی غلط شمار کیا جائے گا۔

ورنہ اس کو عادت پڑ جائے گی کہ وہ غلط دروازے سے داخل ہو۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ من حکم بین الناس وھو جاھل کہ ایک آدمی لوگوں میں فیصلہ کرتا ہے بغیر علم کے۔ تو اس کا صحیح فیصلہ بھی جرم ہے۔ اس لیے کہ اس نے غلط راستے سے فیصلہ کیا۔ اس نے حکم بین الناس کا حق غلط استعمال کیا۔ لہٰذا وہ مجرم ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص وکالت کرتا ہے۔ اور فی الواقع وکیل نہیں ہے۔ اب اگر اس نے اچھی وکالت بھی کر لی لیکن اگر بعد میں عدالت کو علم ہو جائے کہ یہ وکیل نہیں ہے تو وہ اس کو مجرم شمار کرے گی۔

اسی طرح اگر ایک شخص قرآن کریم میں بات کرے تو اس کو اتنا حق نہ ہو گا جب کہ عالم نہ ہو، ورنہ تحت الوعید داخل ہو گا۔

(باقی ۲۵ پر)

شہداءِ بالاکوٹؒ کا مقام و پیغام

مولانا علی میاں حضرت السید احمد شہید بریلویؒ کے خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت الامام مدنیؒ حضرت الامام لاہوریؒ، حضرت الامام رائپوری اور حضرت السید سلیمان ندوی جیسے صاحبانِ نظر سے استفادہ کا انھیں خوب موقعہ ملا۔ تاریخ سے انھیں خاص دلچسپی ہے اور اس میدان میں وہ بہت کچھ لکھ کر پوری دنیا سے اپنی عظمت منوا چکے ہیں۔ پاکستان میں ان کی کتابوں کے ناشر مولانا فضل ربی ندوی نے اپنے ادارہ مجلس نشریات اسلام کراچی سے موصوف کا یہ مقالہ حال ہی میں شائع کیا ہے۔ جو گویا وقت کی آواز ہے۔ ہم اس مقالہ کو اپنے قارئین کی نذر کرتے ہیں۔ خدا حسنِ عمل کی توفیق بخشے۔

(ادارہ)

بالاکوٹ کے معرکہ میں مجاہدِ کبیر حضرت سید احمد شہید اور اُن کے عالی مرتبت رفقاء شہید ہوئے جو عالمِ انسانیت کے لیے رونق و زینت اور مسلمانوں کے لیے شرف و عزت اور خیر و برکت کا باعث تھے، مردانگی و جوانمردی اور پاکیزگی و پاکبازی، تقدس و تقویٰ، اتباعِ سنت و شریعت اور دینی حمیت و شجاعت کا وہ عطر جو خدا جانے کتنے باغوں کے پھولوں سے کھینچا گیا تھا اور انسانیت اور اسلام کے باغ کا جیسا "عطرِ مجموعہ" صدیوں سے تیار نہیں ہوا تھا، اور جو ساری دنیا کو معطر کرنے کے لیے کافی تھا ———

۲۴، ذوالقعدہ سنہ ۱۲۴۶ کو بالاکوٹ کی مٹی میں مل کر رہ گیا۔ مسلمانوں کی نئی تاریخ بنتے بنتے رہ گئی، حکومتِ شرعی ایک عرصہ کے لیے خوابِ بے تعبیر ہو گئی، بالاکوٹ کی زمین اس پاک خون سے لالہ زار اور اس گنجِ شہیداں سے گلزار بنی جس کے اخلاصِ للّٰہیت جس کی بلند ہمتی و استقامت، جس کی جرأت و ہمت اور جس کے جذبۂ جہاد و شوقِ شہادت کی نظیر پچھلی صدیوں میں ملنی مشکل ہے، بالاکوٹ کی سنگلاخ و ناہموار زمین پر چلنے والے بے خبر مسافر کو کیا خبر کہ یہ سرزمین کن عشاق کا مدفن اور اسلامیت کی کس متاعِ گراں مایہ کا مخزن ہے۔

یہ بلبلوں کا صبا مشہدِ مقدس ہے
قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں

اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک مخلص بندہ کے ہاتھ پر اپنے مالک سے اس کی رضا اس کے نام کی بلندی اور اس کے دین کی فتحمندی کے لیے آخری سانس تک کوشش اور اس کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دینے کا عہد کیا تھا، جب تک ان کے دم میں دم رہا اسی راہ میں سرگرم رہے، بالآخر اپنے خونِ شہادت سے اس پیمانِ وفا پر آخری مہر لگا دی، یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ۲۴ ذوالقعدہ کا دن گزر کر جو رات آئی وہ پہلی رات تھی، جس رات کو وہ سبکدوش و سبک سر ہو کر میٹھی نیند سوئے۔

وہ خلعتِ شہادت پہن کر جس کریم کی [illegible] میں پہنچے وہاں نہ مقاصد کی کامیابی کا سوال ہے نہ کوششوں کے نتائج کا مطالبہ، نہ شکست و ناکامیابی پر عتاب ہے نہ کسی سلطنت کے عدمِ قیام پر محاسبہ، وہاں صرف دو چیز [illegible] دیکھی جاتی ہیں، صدق و اخلاص اور اپنی مساعی اور وسائل کا پورا استعمال، اس لحاظ سے شہداءِ بالاکوٹ اس دنیا میں سرخرو ہیں اور انشاءاللہ دربارِ الٰہی میں بھی باآبرو، کہ انھوں نے اخلاص کے ساتھ اپنے مالک کی رضا کیلئے اپنی مساعی اور وسائل کے استعمال میں ذرہ برابر کمی نہیں کی، ان کا وہ خونِ شہادت جو ہماری مادی نگاہوں کے سامنے بالاکوٹ کی

مٹی میں جذب ہوگیا اور اس کے جو چھینٹے پتھروں پر باقی تھے ۲۴ ذوالقعدہ کی بارش نے ان کو بھی دھو دیا، وہ خون جس کے نتیجہ میں کوئی سلطنت قائم نہیں ہوئی، کسی قوم کا مادی و سیاسی عروج نہیں ہوا اور کوئی نخلِ آرزو اس سے سرسبز ہو کر بار آور نہیں ہوا، اس خون کے چند قطرے اللہ کی میزانِ عدل میں پوری پوری سلطنتوں سے زیادہ وزنی ہیں۔ یہ فقیرانِ بے نوا جنھوں نے عالمِ مسافرت میں بیکسی کے ساتھ جان دی اور جن کی اب مادی دنیا میں کوئی یادگار نہیں، یہ اللہ کے یہاں ان بانیانِ سلطنت اور موسّسینِ حکومت سے کہیں زیادہ قیمتی اور معزّز ہیں جن کی تصویر قرآن نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ۔ (منافقون ۴)	اور جب تو دیکھے ان کو تو اچھے لگیں تجھ کو ان کے ڈیل ڈول اور اگر بات کہیں تو سنے ان کی بات (حالانکہ) وہ ایسے (بے جان) ہیں جیسے لکڑی (ٹیک) لگا دی گئی ہو دیوار سے۔

بے شک شہدائے بالاکوٹ کے خون نے دنیا کے سیاسی و جغرافیائی نقشے میں کوئی فوری تغیّر پیدا نہیں کیا، خونِ شہادت کی ایک مختصر سی سُرخ لکیر ابھری تھی، اس کی جگہ نہ جغرافیہ نویس کے طبعی نقشہ میں تھی، نہ مورّخ کے سیاسی مرقّع میں، لیکن کسے خبر کہ یہ خونِ شہادت دفترِ قضا و قدر میں کس اہمیت و اثر کا مستحق سمجھا گیا، اس نے مسلمانوں کو نوشتۂ تقدیر کے کتنے دھبّے دھوئے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں محو و اثبات کا عمل جاری رہتا ہے۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ج وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ○ (رعد ۳۹)	مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور باقی رکھتا ہے (جو چاہے) اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب۔

کون سے نئے فیصلے کروائے، اس نے کسی مستحکم سلطنت کے خاتمہ و زوال اور کسی پسماندہ قوم کے عروج و اقبال کا فیصلہ کروایا، اس سے کس قوم کا بخت بیدار ہوا، اور کس سرزمین کی قسمت جاگی، اس نے کتنی بظاہر ناممکن الوقوع باتوں کو ممکن بنا دیا اور کتنی بعید از قیاس چیزوں کو واقعہ اور مشاہدہ بنا کے دکھا دیا۔

یوں تو شہدائے بالاکوٹ میں سے ہر فرد کا مقام یہ ہے کہ:۔

"يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ○ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ"۔ (یٰسین ۲۶-۲۷)	کاش کسی طرح میری قوم معلوم کر لیں کہ بخش دیا مجھ کو میرے رب نے اور شامل کر لیا مجھ کو عزت والوں میں۔

مگر گوشِ شنوا اور دیدۂ بینا کے لیے ان کا خموش پیغام یہ ہے کہ ہم ایک ایسے خطۂ زمین کے حصول کے لیے جد و جہد کرتے رہے جہاں ہم اللہ کے منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکیں جہاں ہم دنیا کو اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کا نمونہ دکھا کر اسلام کی طرف مائل اور اس کی صداقت و عظمت کا قائل کر سکیں، جہاں نفس و شیطان، حاکم و سلطان اور رسم و رواج کے بجائے خالص اللہ کی حکومت و اطاعت ہو۔

وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ" (الانفال ۳۹)	اور ہو جائے حکم سب کا سب اللہ کا۔

جہاں طاعت و عبادت اور اصلاح و تقویٰ کے لیے اللہ کی زمین وسیع اور فضا سازگار ہو اور فسق و فجور و معصیت کے لیے زمین تنگ اور فضا ناسازگار ہو، جہاں ہم کو صدیاں گزر جانے کے بعد پھر:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ" (الحج ۴۱)	وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے۔

کی تفسیر پیش کرنے کا موقع مل سکے، تقدیرِ الٰہی نے ہمارے لیے اس سعادت و مسرّت اور اس آرزو کی تکمیل کے مقابلہ میں میدانِ جنگ کی شہادت اور اپنے قرب و رضا کی دولت کو ترجیح دی، ہم اپنے رب کے اس فیصلہ پر رضامند و خورسند ہیں۔ اب اگر اللہ نے تم کو دنیا کے کسی حصّہ میں کوئی ایسا خطّۂ زمین عطا فرمایا جہاں تم اللہ کے منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق زندگی گزار سکو اور اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں کوئی مجبوری مخل اور کوئی بیرونی طاقت حائل نہ ہو، پھر بھی تم اس سے گریز کرو اور ان شرائط و اوصاف کا ثبوت نہ دو جو مہاجرین و مظلومین کے اقتدار اور سلطنت کا تمغۂ امتیاز ہیں تو تم ایسے کفرانِ نعمت اور ایک ایسی بدعہدی کے مرتکب ہو گئے جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے، ہم نے جس زمین کے چپہ چپہ کے لیے جد و جہد کی اور اس کو اپنے خون سے رنگین کر دیا، اکوڑے اور شیدو کے میدان اور نورو اور مایار کی رزم گاہ سے لے کر بالاکوٹ کی شہادت گاہ تک ہمارے خونِ شہادت کی مہریں اور ہمارے شہیدوں کی قبریں ہیں، تم کو خدا نے اس زمین کے وسیع رقبہ اور سرسبز و شاداب خطّے سپرد فرماتے اور بعض اوقات قلم کی ایک جنبش اور بدلتے نام کوشش نے تم کو عظیم سلطنتوں کا مالک بنا دیا۔

باقی ۲۵ پر

حضرت بہلول کی زندگی کا بصیرت افروز واقعہ



فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بصرہ کی سڑک پر جا رہا تھا راستے میں چند لڑکے اخروٹ اور بادام سے کھیل رہے تھے اور ایک لڑکا ان کے قریب کھڑا رو رہا تھا مجھے یہ خیال ہوا کہ اس لڑکے کے پاس اخروٹ اور بادام نہیں ہیں اس لیے یہ رو رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا بیٹا میں تجھے بادام خرید دوں گا تو بھی ان سے کھیلنا اس نے میری طرف نگاہ اٹھا کر کہا ارے بے وقوف کیا ہم کھیل کے واسطے پیدا ہوئے ہیں میں نے پوچھا پھر کس لئے پیدا ہوئے ہیں کہنے لگا علم حاصل کرنے کے واسطے اور عبادت کے واسطے میں نے کہا اللہ جل شانہ تیری عمر میں برکت دے تو نے یہ بات کہاں سے معلوم کی کہنے لگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (ترجمہ) کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ میں نے کہا بیٹا تو تو بڑا حکیم معلوم ہوتا ہے مجھے کچھ نصیحت کر دو اس نے چار شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ تھا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا ہر وقت چل چلاؤ میں ہے۔ آج یہ گیا کل وہ گیا ہر وقت چلنے کے لیے دامن اٹھائے قدم اور پنڈلی پر دوڑنے کے لیے تیار ہے۔ پس نہ تو دنیا کسی زندہ کے لیے باقی رہتی ہے اور نہ کوئی زندہ دنیا کے لئے باقی رہتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موت اور حوادث دو گھوڑے ہیں جو تیزی سے آدمی کی طرف دوڑے چلے آ رہے ہیں پس او بے وقوف جو دنیا کے ساتھ دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔ ذرا غور کر اور دنیا سے اپنے لیے کوئی آخرت میں کام آنے والی اعتماد کی چیز لے یہ شعر پڑھ کر اس لڑکے نے آسمان کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ اٹھائے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ پھر اس نے یہ دو شعر پڑھے۔ (ترجمہ) اے وہ پاک ذات کہ اسی طرف عاجزی کی جاتی ہے اور اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اے وہ پاک ذات جب اس سے کوئی شخص امید باندھ لے تو وہ نامراد نہیں ہو سکتا اس کی امید ضرور پوری ہو جاتی ہے یہ شعر پڑھ کر وہ بے ہوش کر گر گیا میں نے جلدی سے اس کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور اپنی آستین سے اس کے منہ پر سے مٹی وغیرہ صاف کی جب اس کو ہوش آیا تو میں نے کہا بیٹا ابھی سے تم کو اتنا خوف ہے ابھی تو تم بہت بچے ہو ابھی تو تمہارے نامہ اعمال میں کوئی گناہ بھی نہیں۔ کہنے لگا بہلول ہٹ جاؤ میں نے اپنی والدہ کو ہمیشہ دیکھا کہ جب وہ آگ جلانا شروع کرتی ہے تو پہلے چھوٹی چھوٹی چھپٹیاں ہی چولھے میں رکھتی ہے۔ اس کے بعد بڑی لکڑیاں رکھتی ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں جہنم کی آگ میں چھوٹی لکڑیوں کی جگہ ہی نہ رکھ دیا جاؤں میں نے کہا صاحب زادہ تم تو بڑے ہی حکیم معلوم ہوتے ہو مجھے کوئی مختصر سی نصیحت کرو اس نے اس پر چودہ شعر پڑھے۔ ترجمہ یہ ہے میں غفلت میں پڑا رہا اور موت کو ہانکنے والا میرے پیچھے پیچھے موت کو ہانکے چلا آ رہا ہے اگر میں آج نہ گیا تو کل چلا جاؤں گا میں نے اپنے بدن کو اچھے اچھے اور نرم نرم لباس سے آراستہ کیا حالانکہ میرے بدن کے لئے قبر میں جا کر گلنے اور سڑنے کے سوا چارہ کار نہیں ہے وہ منظر گویا اس وقت میرے سامنے ہے جب کہ میں قبر میں بوسیدہ پڑا ہوا ہوں میرے اوپر مٹی کا ڈھیر ہوگا اور نیچے قبر کا گڑھا ہوگا اور میرا یہ حسن و جمال سارے کا سارا جاتا رہے گا اور بالکل مٹ جائے گا حتی کہ میری ہڈیوں پر نہ گوشت رہے گا نہ کھال رہے گی میں دیکھ رہا ہوں کہ عمر تو ختم ہوتی جا رہی ہے اور آرزوئیں ہیں کہ پوری نہیں ہو سکتیں اور لمبا طویل سفر سامنے ہے اور توشہ ذرا سا بھی ساتھ نہیں ہے اور میں کھلم کھلا گناہوں کے ساتھ اپنے نگہبان محافظ کا مقابلہ کیا اور بڑی بڑی حرکتیں ہیں جو اب واپس نہیں ہو سکتیں (یعنی جو گناہ کر چکا ہوں وہ کیا ہوا نہیں ہو سکتا اور میں نے لوگوں سے چھپانے کے لیے پردے ڈالے ہیں میرا عیب کسی پر ظاہر نہ ہو لیکن میرے جتنے مخفی گناہ ہیں وہ کل اس مالک کے سامنے ظاہر ہوں گے (اس کی پیشی میں پیش ہوں گے) اس میں شک نہیں کہ مجھے اس کا خوف ضرور تھا لیکن میں اس کے غایت حلم پر بھروسہ کرتا رہا جس کی وجہ سے جرأت ہوتی رہی اور اس پر اعتماد کرتا رہا کہ وہ غفور ہے اس کے سوا کون معافی دے سکتا ہے بے شک تمام تعریفیں ذات پاک کے لیے ہیں اگر موت اور مرنے کے بعد گلنے اور سڑنے کے سوا کوئی اور آفت نہ بھی ہوتی اور میرے رب کی طرف سے جنت کا وعدہ اور دوزخ کی دھمکی نہ ہوتی تب بھی مرنے اور سڑنے ہی میں

کافی اس بات پر تنبیہ موجود تھی کہ لہو ولعب سے احتراز کیا جاتا لیکن کیا کریں ہماری غفلت بڑھ گئی کسی بات سے عبرت حاصل نہیں ہوتی بس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ کاش گناہوں کا بخشنے والا میری مغفرت کر دے جب کسی غلام سے لغزش ہوتی ہے تو آقا ہی معاف کرتا ہے بے شک میں بدترین بندہ ہوں جس نے اپنے مولیٰ کے عہد میں خیانت کی ہے اور نالائق غلام ایسے ہی ہوتے ہیں ان کا قول قرار معتبر نہیں ہوتا میرے آقا جب تیری آگ میرے بدن کو جلائے گی تو میرا کیا حال بنے گا جب کہ سخت سے سخت پتھر بھی اس آگ کو برداشت نہیں کر سکتے میں موت کے وقت بھی تنہا رہ جاؤں گا قبر میں بھی اکیلا ہی جاؤں گا اور اکیلا ہی اٹھوں گا کسی جگہ بھی میرا کوئی معین و مددگار نہ ہوگا پس اے وہ پاک ذات جو اکیلی ہے وحدہٗ لاشریک ہے ایسے شخص پر رحم فرما جو بالکل تن تنہا ہے۔

بہلولؒ کہتے ہیں کہ اس کے یہ اشعار سن کر مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں غش کھا کر گر گیا بڑی دیر میں جب مجھے ہوش آیا تو وہ لڑکا جا چکا تھا میں نے ان بچوں سے دریافت کہ یہ بچہ کون تھا وہ کہنے لگے کہ تو اس کو نہیں جانتا یہ حضرت حسینؓ کی اولاد میں ہے میں نے کہا مجھے خود ہی حیرت ہو رہی تھی کہ یہ پھل کس درخت کا ہے واقعی یہ پھل اسی درخت کا ہو سکتا ہے۔ (روض الالف)

بقیہ: شہداء بالاکوٹ کا مقام

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی	پھر ہم نے تم کو ان کے بعد
الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ	زمین میں جانشین کیا تاکہ دیکھیں
كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝	کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

(یونس: ۱۴)

اب اگر تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور تم آزادی کی اس نعمت اور خداداد سلطنت کی اس دولت کو جاہ و اقتدار کے حصول اور حقیر و فانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا۔ تم نے اپنے نفوس اور اپنے متعلقین، ملک کے شہریوں اور باشندوں پر خدا کی حکومت اور اسلام کا قانون نہ جاری کیا۔ اور تمہارے ملک اور تمہاری سلطنتیں اپنی تہذیب و معاشرت اور اپنے قانون و سیاست اور تمہارے حاکم اپنے اخلاق و سیرت اور اپنی تعلیم و تربیت میں غیر اسلامی سلطنتوں اور غیر مسلم حاکموں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے تو تم آج دنیا کی ان قوموں کے سامنے جن سے تم نے مسلمانوں کے لیے الگ خطۂ زمین کا مطالبہ کیا اور کل خدا کی عدالت میں جہاں اس امانت کا ذرہ ذرہ حساب دینا پڑے گا، کیا جواب دو گے؟ خدا نے تم کو ایک ایسا نادر و زریں موقع عطا فرمایا ہے جس کے انتظار میں چرخ کہن نے سیکڑوں کروٹیں بدلیں اور تاریخ اسلام نے ہزاروں صفحے اُلٹے، جس کی حسرت و آرزو میں خدا کے لاکھوں پاک نفس اور عالی تبار بندے دنیا سے چلے گئے، اس موقع کو اگر تم نے ضائع کر دیا تو اس سے بڑا تاریخی سانحہ اور اس سے بڑھ کر حوصلہ شکن اور یاس انگیز واقعہ نہ ہوگا، بالاکوٹ کے ان شہیدوں کا جو ایک دور افتادہ بستی کے ایک گوشہ میں آسودۂ خاک ہیں، ان سب لوگوں کے لیے جو اقتدار و اختیار کی نعمت سے سرفراز اور ایک آزاد اسلامی ملک کے باشندے ہیں، پیغام ہے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ	پھر تم سے یہ بھی توقع ہے
تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا	کہ اگر تم کو حکومت مل
فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا	جائے تو خرابی پھیلاؤ ملک
اَرْحَامَكُمْ ۝	میں اور قطع کرو اپنی قرابتیں۔

بقیہ: افادات محمود

اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں حد قذف کا ذکر آیا۔ اب ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو دیکھا کہ وہ زنا کر رہا تھا تو اس کی شہادت غیر معتبر ہے عدالت میں جب تک کہ باقی گواہ موجود نہ ہوں زنا کے ثبوت کے لیے۔ لیکن اگر وہ اسی بات پر اصرار کرتا ہے اور عدالت میں جاتا ہے تو عدالت اس کو اسی کوڑے لگانے کی سزا دے گی اگرچہ وہ نفس الامر میں کہتا ہو لیکن نصاب شہادت پورا نہ ہونے کی وجہ سے یہ بہتان ٹھہرایا گیا — حالانکہ اس نے صحیح کہا تھا۔ چنانچہ فرمایا۔

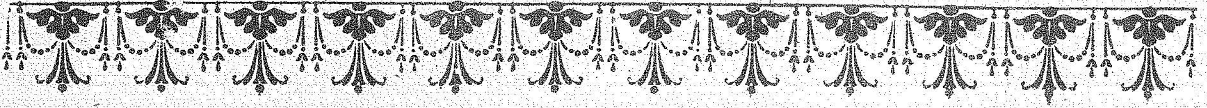
فان لم یأتوا بالشهداء فاولئك عند الله هم الکذبون (الآیہ) تو معلوم ہوا کہ

وان کانوا فی نفس الامر من الصادقین ولکنه اخبر بما لا یحل الاخبار به۔ تو اگر ایک سچ بولنے والا بھی اصول شرع کے غیر مطابق ہو کر خبر دے تو اس کو یہ حق نہ تھا لہٰذا ناحق بھی خبر دی تو بھی غلط ہے۔ صادق ہے تب بھی کاذب ہے۔ عند اللہ۔ اسی طرح من فسر القرآن برأیه من دون العلم فهو مخطئ وان اصاب۔ لانه لاحق له فی التفسیر۔

*

اہم مکتوب

برائے توجہ خلفاء مجازین واحباب کرام حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ علیہ



بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ بخدمت جناب محترمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد اھداء التحیات والطیب التمنیات!

آپ کی خدمت بابرکت میں ایک انتہائی ضروری درخواست پیش کرتے ہوئے اخلاق کریمانہ سے امید کرتا ہوں کہ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر آپ اس پر فوری اور ضروری بھرپور توجہ عالیہ سے نوازیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

آپ کو بخوبی علم ہے کہ دورِ حاضر میں عارف باللہ شیخ الاسلام والتفسیر قطب العالم حضرت مولانا احمد علی صاحب قدس سرہٗ لاہوری رب کریم کے مقبول ومخلص بندوں اور مسلک حقانی کے جامع الکمالات بزرگوں میں سے تھے۔ ان کے شایانِ شان سوانح مبارکہ اب تک منصۂ شہود پر نہ آسکی۔ اسی طرح حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے وہ مکتوبات مبارکہ جو روحانی، علمی، سیاسی، معاشرتی جواہر بے بہا لیے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اشد ضرورت ہے کہ ان جواہر مبارکہ کو سوانح عالیہ کے ساتھ نہایت تفصیل و تحقیق سے شائع کرکے انہیں آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کیا جائے۔ اسی تمنا کو لیے ہوئے حاضر خدمت ہوں اور درج ذیل امور میں آپ کی سرپرستی اور بہترین تعاون کا ملتجی ہوں۔ تاکہ ایک مکمل وجامع سوانح مبارکہ مع مکتوبات مقدسہ مرتب کرکے شائع کی جاسکے۔ آمین

۱۔ حضرت الشیخ قدس سرہٗ العزیز کی مبارک زندگی کے بارہ میں کسی قسم کی معلومات یا کوئی واقعہ۔

۲۔ حضرت الشیخ قدس سرہ العزیز کے مکتوبات مقدسہ چاہے کسی موضوع پر ہوں۔ (فوٹو اسٹیٹ ارسال فرماویں اور جہاں ضرورت ہو وہاں اس خط کا پس منظر بھی ضرور مختصراً تحریر فرماویں۔ شکریہ)

۳۔ حضرت الشیخ قدس سرہ العزیز کے عملیات روحانی یا جسمانی کے سلسلہ میں کوئی ارشاد، وظیفہ، نسخہ وغیرہ

۴۔ حضرت شیخ التفسیر قدس سرہ العزیز کے کسی سفر کے بارہ میں ضروری معلومات یا اس دوران ضبط شدہ ملفوظات وغیرہ

۵۔ حضرت شیخ التفسیر قدس سرہ العزیز کے کرامات حسّی و معنوی۔ جس کا تعلق خود آپ سے ہو یا یقینی ذرائع و واسطہ سے معلوم ہو۔

۶۔ حضرت شیخ التفسیر قدس سرہ العزیز کی کوئی تقریر، خطاب، درس، بیان وغیرہ (خوبصورت لکھ کر بھجوایئے)

۷۔ حضرت شیخ التفسیر قدس سرہ العزیز نے آپ کی کسی کتاب، پمفلٹ پر تصدیق و تقریظ فرمائی ہو یا کسی دینی مدرسے، ادارے کے بارہ میں رائے عالیہ ارشاد فرمائی ہو۔

جیساکہ عرض کر چکا ہوں حضرت اقدس نور اللہ مرقدہم کے مکتوبات مبارکہ اور دیگر تمام تحریرات مقدسہ کے فوٹو اسٹیٹ کاپی بھجوائیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی تھوڑی سی مالی قربانی باعث برکات ہوگی اور اس طرح حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات مقدسہ اکٹھی ہوکر تاریخی یادگار کا سنہری موقع بھی حاصل کرلیں گی۔ انشاء اللہ العزیز۔ لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے آپ فوٹو اسٹیٹ کاپی نہ بھجوا سکیں تو پھر ان کی خوشخط نقل لکھیں اور اس پر حضرتؒ کے کسی خلیفہ مجاز، مشہور شاگرد یا معروف عالم حقانی کی تصدیق و دستخط و

مولانا عبید اللہ انور پبلیشر نے پرنٹر خواجہ شوکت علی پریمیئر پرنٹرز میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ سے شائع کیا

ہو سکا کہ مجھے روانہ فرما دیں ۔ ڈاک کی حفاظت کے لیے اگر رجسٹری بھجوائیں تو بہت کرم ہوگا ۔

بحمد اللہ الکریم ۔ مکتبہ حکمت اسلامیہ نوشہرہ کی بنیاد خود حضرت اقدس لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ۵ دسمبر ۱۹۶۰ء کو یہاں تشریف آوری پر رکھی تھی ۔ ان کے جانشین حضرت المحترم مولانا عبید اللہ صاحب انور مدظلہم نے گزشتہ دورۂ نوشہرہ میں بندہ کے اس پروگرام پر انتہائی خوشی اور پسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے اپنی سرپرستی کا اعزاز فرمایا ۔ نیز حضرت المحدّث مولانا عبد الحق صاحب مدظلہم اور حضرت المحقق علامہ شمس الحق افغانی مدظلہم کی عظیم و مبارک سرپرستی کے ساتھ ساتھ مکتبہ کو اکثر اکابرین و بزرگانِ دین کی توجہ عالیہ نصیب ہے ۔ فللہ الحمد والمنۃ !

نوٹ :۔ حضرت الشیخ لاہوری قدس سرہٗ العزیز کی کوئی تقریر مبارکہ ، درس یا گفتگو اگر کسی صاحب کے پاس ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ ہو تو اس سے بھی ضرور مطلع فرمائیں ۔ بڑی مہربانی ہوگی ۔

آخر میں آپ سے گزارش ہے کہ نہ صرف آپ خود اس درخواست کو شرفِ قبولیت سے نوازیں بلکہ اپنے احباب ، متعلقین ، متعارفین سے بھی اس نیک و مبارک کام کا باحسن تکمیل کے لیے ارشاد فرمادیں ۔ ربِ کریم اس احسان کے لاانتہا اجر اور حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک نسبتیں آپ و ہم سب کو ہمیشہ نصیب فرمائے اور اپنی رضا اور سعادت و فلاح دارین سے نوازے ۔ آمین بحرمت نبی الکریم نبی الرحمہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم ۔

احمد عبد الرحمٰن الصدیقی ، یوم البدر ، ۱۷ رمضان الکریم ۱۳۹۷ھ
مکتبہ حکمت اسلامیہ نوشہرہ صدر ضلع پشاور ۔ پاکستان

بلال زبیری چل بسے

محب مکرم اور مخلص اہل قلم بلال زبیری کے انتقال کی روح فرسا خبر نے ورطہ حیرت میں ڈال دیا ۔

کتنی خوبیوں کے مالک تھے زبیری صاحب ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے منظور نظر ، مجلس احرار اسلام کے جی دار اور بہادر ورکر ، عسرت و افلاس میں زندگی گزاری لیکن کسی کے آستانہ میں گردن نہ جھکائی ۔ خوبیاں اتنی تھیں کہ لوگ بک بک کر اسے خریدنا چاہتے تھے ۔ لیکن اللہ تعالےٰ کا کرم ان کے شامل حال تھا ۔ اور وہ اس عبرت ناک صورتِ حال سے بچے رہے ۔ ملک کے صفِ اول کے پرچوں میں لکھا اور اب چند سالوں سے کتابیں لکھنے کا شغل جاری رکھا ، کئی قیمتی کتابیں لکھیں اور ان کے مواد کے لیے جو بھاگ دوڑ اور محنت کی وہ اس قافلہ کے ہر فرد کی طبیعت ثانیہ ہے ۔

کچھ عرصہ سے عملی سیاست سے دلچسپی نہ رہی تھی ۔ تاہم اہل حق کی جماعت جمعیۃ علماء اسلام سے ہمدردیاں ضرور تھیں ۔ اللہ تعالےٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے ۔ پسماندگان کے غم میں ہم برابر کے شریک ہیں ۔

عربی کلاس کا اجراء

یہ کلاس انجمن خدام الدین کے زیر انتظام و اہتمام ایک عرصہ دراز سے چل رہی تھی جس میں نماز مغرب کے بعد پڑھے لکھے نوجوانوں کو صرف و نحو کے قواعد و ضوابط کے مطابق قرآن کریم کا ترجمہ ، خلاصۃ المشکوٰۃ وغیرہ کتابیں پڑھائی جاتی تھیں ۔ مگر بعض عوارض و ناگزیر حالات کی وجہ سے یہ کلاس بند کرنا پڑی ۔ اب جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب نے اسے پھر سے جاری کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے اور اب ان شاء اللہ العزیز مذکورہ بالا نصاب کے علاوہ جدید عربی بھی پڑھائی جائے گی ۔ کسی قسم کی فیس وصول نہیں کی جائے گی اور کتابیں بھی مفت فراہم کی جائیں گی ۔ کلاس کا وقت معمول کے مطابق بعد از نمازِ مغرب شیرانوالہ مسجد میں ہوگا ۔ سلسلہ تعلیم ۱۹ اکتوبر بروز بدھ شروع ہوگا ۔

حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب خود اس کا افتتاح فرمائیں گے ۔ حضرت مولانا محمد اجمل خاں صاحب بھی شمولیت فرمائیں گے ۔

تدریسی خدمات مولانا حمید الرحمٰن عباسی صاحب انجام دیں گے ۔ حضرت مولانا موصوف اور مولانا محمد اجمل خاں صاحب بھی گاہے گاہے طلبہ کو استفادہ کا موقع دیں گے ۔

تعلیم یافتہ حضرات دفتر خدام الدین سے رابطہ قائم کریں ۔

منجانب :۔ ناظم انجمن خدام الدین لاہور


انجمن خدام الدین لاہور کی طرف سے شائع شدہ
قرآن عزیز
بہ تحشیہ جدیدہ
دیدہ زیب
رنگین
از: شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ
چند مقتدر علماء کرام کی آراء
○ جناب مستطاب مولانا احمد علی صاحب لاہوری دام ظلہ کی خدمت ظہور میں آئی جو عاجز نے متفرق دیکھی،
یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ماضی و مستقبل میں اس کی نظیر ناممکن ہے مگر یہ کہنا بے جا نہیں کہ حق تعالیٰ نے ایک بہت بڑی
خدمت جناب ممدوح سے لی اور اب انشاء اللہ العزیز عوام و خواص دونوں طبقے اس تفسیر سے اپنی تشفی کر سکیں گے۔
(حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رح)
○ میں نے مولانا موصوف کی یہ تحریر دربارہ ربط آیات قرآنیہ و ایضاح معانی فرقانیہ مختلف مقامات سے دیکھی
بحمد اللہ نہایت مفید اور کار آمد تحریر پائی۔ دلچسپ اور صحیح و ضروری مضامین کا خلاصہ اس طرح اس میں بھر دیا گیا
ہے کہ عوام اور خواص دونوں کو بہت زیادہ آسانی کے ساتھ دُرِ گرانمایہ ہاتھ آسکیگے
(حضرۃ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ)
○ اس تفسیر کو اول سے آخر تک نہایت غور سے دیکھا ہے اور دیکھنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے
• اول سے آخر تک کوئی بات ایسی نہیں پائی جو اہل سنت والجماعت کے مسلک کے
خلاف ہو • ربط آیات اس خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جس کی نظیر زمانہ
ماضیہ میں معدوم الوجود ہے • مطالب و مضامین قرآن حکیم کی
تشریح میں خیر الکلام ما قل و دل کے مطابق اختصار بھی ہے
اور باوجود اختصار کے پیرایہ بیان نہایت سہل و سلیس ہے
(حضرۃ مولانا سلطان محمود صاحب مدرس مدرسہ فتحپوری)
ھدیہ
۴۵ روپے
ملنے کا پتہ: بعنوان قرآن عزیز المعروف بہ تفسیر لاہوری
بغرض خدمت واشاعت انجمن خدام الدین وادارہ نشریات لاہور